عربی زبان

(تاریخ۔ لہجے۔ رسم الخط۔ علوم عربیہ۔ دیگر زبانوں پر عربی کے اثرات۔ عربی زبان کی خصوصیات۔ عربی زبان کے لیے چیلنجز۔ عربی میں مہارت پیدا کرنے کے وسائل)

تالیف

ڈاکٹر عبدالحمید اطہر ندوی

ناشر

مکتبة الشباب العلمیة۔ لکھنؤ　　علی ایجوکیشنل بک ہاؤس۔ بھٹکل

سلسلۂ اشاعت نمبر ( )

نام کتاب	:	عربی زبان
تصنیف	:	ڈاکٹر عبدالحمید اطہر ندوی بھٹکلی
کمپوزنگ	:	ندوی پرنٹرس بھٹکل
صفحات	:	۷۲
قیمت	:	۵۰ روپئے
تعداد	:	۱۱۰۰
ملنے کے پتے	:	☆ مولانا ابوالحسن ندوی اسلامک اکیڈمی۔ بھٹکل پوسٹ بکس نمبر ۳۰۔ کرناٹک ☆ معہد امام حسن البنا شہید۔ پوسٹ بکس نمبر ۱۳ بھٹکل ۵۸۱۳۲۰ کرناٹک

ناشر

علی ایجوکیشنل بک ہاؤس، بھٹکل، کرناٹک – موبائل: 09538579602

مکتبۃ الشباب العلمیۃ، ندوہ روڈ۔ لکھنؤ (یوپی) موبائیل: 09198621671

فہرستِ مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

عربی زبان وہ زبان ہے جو رہتی دنیا تک اسی طرح بولی اور سمجھی جاتی رہے گی ،نزول قرآن کے وقت جس طرح بولی اور سمجھی جاتی تھی۔ یہ قرآن مجید کا کھلا معجزہ ہے، جب اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ لیا تو ضمناً عربی زبان کی بھی حفاظت کا ذمہ لے لیا، اس لیے کہ بغیر عربی زبان کے قرآن محفوظ نہیں رہ سکتا، اسی وجہ سے کوئی اس کو چیلنج دے نہیں سکتا اور نہ اس کے خلاف کوئی کوشش اور سازش کامیاب ہوسکتی ہے، کرنے والوں نے کر کے دیکھا اور منھ کی کھائی، اور جب بھی کوشش کریں گے جگ ہنسائی کا باعث بنیں گے۔

کسی زبان کو یہ امتیاز حاصل نہیں، علم الالسنہ کی یہ تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ کوئی زبان ایک ڈگر پر زیادہ عرصے تک باقی نہیں رہ سکتی، اس کے اندر مسلسل تبدیلی کا عمل جاری رہتا ہے، دوسو سال پہلے کی انگریزی زبان آج کون سمجھتا ہے، اردو ہی کو لیجیے، ڈھائی تین سو سال پہلے بولی اور لکھے جانے والی زبان کو سمجھنے والے آج کتنے ہیں، مگر عربی کی بات ہی کچھ اور ہے، تمام زبانوں پر عربی زبان کی فضیلت کے لیے صرف یہی بات کافی ہے۔

چونکہ عربی زبان دائمی زبان ہے اس لیے مسلمانوں نے قرآن فہمی اور حدیث فہمی کی حد تک اس کو محدود نہیں رکھا، بلکہ علمی کاموں کے لیے اسی زبان کو ترجیح دی، اگرچہ دعوتی مقاصد کے لیے مقامی زبان کی طرف بھی انھوں نے توجہ کی، اس سے بھی خوب

خوب کام لیا، مگر جب کوئی اہم کام بلکہ کارنامہ انجام دینا تھا تو اسی زبان ہی کو ترجیح دی۔ امام غزالیؒ نے ایرانی ہوتے ہوئے احیاء العلوم عربی زبان میں لکھی، شاہ ولی اللہ نے ہندوستانی ہوتے ہوئے حجۃ اللہ البالغہ کے لیے عربی زبان کو ضروری سمجھا، اس کی سینکڑوں نہیں ہزاروں مثالیں دی جاسکتی ہیں۔

عربی زبان بہت سی خصوصیات کی حامل ہیں جن سے دنیا کی دوسری زبانیں محروم ہیں (مصنف نے قدرے تفصیل سے ان کا جائزہ لیا ہے)، اس کی اہم ترین خصوصیات میں سے ایک خصوصیت اشتقاق کی خصوصیت ہے، یہ بات تو ہم نہیں کہتے کہ دنیا کی کسی زبان میں یہ بات نہیں ہے البتہ جن زبانوں سے شدبد ہے یا جن زبانوں سے واقف ہونے کے مواقع حاصل ہیں، ان کے پیش نظر بلاخوفِ تردید یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ دنیا کی کوئی زبان اس معاملے میں عربی کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ کوئی بھی نئی چیز دنیا میں ایجاد ہو، عربی اشتقاق کا ماہر بہت آسانی سے اس کا خالص عربی متبادل پیش کرسکتا ہے چنانچہ عربی اکیڈمیوں نے یہ کام کیا اور عربی زبان کی اہمیت اور حیثیت جتادی، مثلاً ریڈیو کے لیے مذیاع، ٹائپ رائٹر کے لیے الآلۃ الکاتبۃ، ٹیلیفون کے لیے ھاتف، موبائل کے لیے جوّال، اور سواریوں میں مثلاً بس کے لیے حافلۃ، ٹرین کے لیے قطار، ہوائی جہاز کے لیے طائرۃ یا طیارۃ۔ یہ موضوع ایک مستقل کتاب کا ہے۔

اور پھر تمام زبانیں عربی زبان کی ممنون ہیں، اردو فارسی میں عربی الفاظ کا پایا جانا قابل تعجب نہیں، اس لیے کہ ابتدا ہی سے اہل فارس کا عربوں سے تعلق رہا، عہد نبوت اور عہد خلافت راشدہ ہی میں ہزاروں ایرانی جزیرۃ العرب میں آتے جاتے تھے، اور ہزاروں عربوں کی ایران آمد و رفت کثرت سے رہتی تھی۔ اور اردو تو ہندوستان میں عربوں اور مسلمانوں کی آمد کے کئی سو سال بعد پیدا ہوئی، مگر حیرت کی بات یہ ہے یورپ کی رائج

الوقت زبانوں میں بھی کوئی زبان ایسی نہیں ملے گی جس میں دسیوں بیسیوں نہیں سینکڑوں عربی الفاظ عام بول چال میں استعمال نہ ہوتے ہوں، مثلاً انگریزی میں ہزاروں الفاظ خالص عربی ہیں، ان میں کچھ الفاظ تو وہ ہیں جن کے بارے میں آسانی سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ یہ اندلس کے راستے سے داخل ہوئے، خاص طور پر علمی اور ثقافتی الفاظ جن کی کچھ مثالیں مصنف نے دی ہیں، مثلاً الجبر، الکحول، کیمیاء وغیرہ، مگر بہت سے الفاظ ایسے ہیں جن کی توجیہ اس کے علاوہ نہیں ہوسکتی کہ انگریز نہایت گنوار تھے، بہت سے جانوروں سے بھی واقف نہیں تھے، مثلاً انگریزی کے Camle, Horse, Cat, Elephant, ان سب کی اصل عربی ہے جمل، قط، فرس، فیل، Cup کی اصل "کوب" ہے، اس طرح زمین کے لیے انگریزی میں جو عام لفظ مستعمل ہے Earth اس کی بھی اصل خالص عربی لفظ "أرض" ہے۔ یہ نہایت دلچسپ موضوع ہے، اس پر مستقل کتابیں لکھی جا چکی ہیں، مصنف نے بتایا ہے کہ ڈاکٹر سلیمان ابوغواش نے تو دس ہزار ایسے انگریزی الفاظ کو جمع کیا ہے جن کی اصل عربی ہے، کتاب کا نام ہے عشرة آلاف کلمة إنجليزية من أصل عربي۔

عربی زبان کی خصوصیات کے ضمن میں مولف نے یہ بات بھی لکھی ہے کہ فلاں حرف عربی میں فلاں حرف سے پہلے نہیں آتا، اس کا مطلب یہ ہے کہ اصل عربی الفاظ اس طرح نہیں پائے جاتے، البتہ عربی میں ایسے الفاظ مستعمل ہیں، مثلاً "نون"، "را" سے پہلے نہیں آتا مگر آپ لغت کھولیں تو ایسے متعدد لفظ ملیں گے، جیسے نرجس، نارجیل، نرد، نردِن، نارنج وغیرہ، مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ یہ سب معرب اور دخیل الفاظ ہیں۔

بہرحال مصنف نے اس مختصر کتاب میں عربی زبان کی تاریخ اور اس کے

ادوار سے لے کر اس کے اقسام، لہجات، اس کے علوم، عربی رسم الخط والی زبانیں، دیگر زبانوں پر عربی زبان کے اثرات، اسی طرح عربی زبان پر دوسری زبانوں کا اثر، عربی زبان کی خصوصیت، اس کے خلاف کی جانے والی سازشیں، اور اخیر میں عربی زبان میں مہارت پیدا کرنے کے وسائل اور ذرائع سے بحث کی ہے اور بڑے سلیقے سے ان کو بیان کیا ہے۔ کتاب پڑھنے والا بہت تھوڑے وقت میں بہت سی معلومات اور بہت سے فوائد حاصل کرسکتا ہے، راقم کے علم میں کم سے کم اردو میں ایسی کتاب نہیں لکھی گئی۔ اللہ اس کو مفید بنائے اور مصنف کو مزید بہتر سے بہتر کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

۲۰/۳/۱۴۳۳ھ　　فیصل احمد ندوی بھٹکلی

۱۳/۲/۲۰۱۲ء　　دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

چند باتیں

الحمد لله رب العالمین والصلاة والسلام علی سید المرسلین وعلی آله وصحبه وبارک وسلم، أما بعد.

ماہ محرم ۱۴۳۳ ہجری کو جامعہ اسلامیہ بھٹکل کی طلبہ تنظیم ''اللجنة العربية'' کی طرف سے مجھ سے درخواست ہوئی کہ میں عربی زبان پر عالیہ درجات کے طلبہ میں محاضرہ دوں، میں نے اپنے لیے اعزاز سمجھتے ہوئے قبول کیا اور تیاری شروع کی۔

جب میرے پاس محاضرہ کے لیے مواد جمع ہوا تو خود مجھے ہی عربی زبان کے تعلق سے نئی معلومات ملیں، جن سے میں پہلے واقف ہی نہیں تھا، اور محاضرہ سے پہلے ہی اتنا زیادہ مواد فراہم ہو گیا کہ ایک کتاب ہی ہو گئی۔

محاضرہ میں موضوع کا احاطہ کرنے کی کوشش تو کی گئی، لیکن جمع معلومات کو مکمل طور پر پیش کرنے کے لیے وقت ناکافی تھا، اس وجہ سے سرسری طور پر موضوع پر روشنی ڈالی گئی۔ اس کے باوجود محاضرہ کو طلبہ نے بہت پسند کیا اور میرے شاگردوں نے بتایا کہ اس سے بڑا فائدہ ہوا۔

پھر ایک ماہ بعد مواد پر نظر ثانی کا موقع ملا، معلومات میں مزید اضافہ کی ضرورت پیش آئی تو نئے مقالات اور کتابوں کی طرف رجوع کیا گیا، جس کے نتیجہ میں عربی زبان کے موضوع پر ایک معلوماتی کتابچہ تیار ہو گیا۔

میرے دوست مولانا فیصل احمد صاحب آرمار ندوی (استاذ دار العلوم ندوة العلماء لکھنؤ) نے اس کو سرسری دیکھا اور اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا، لیکن وہ اپنی مصروفیات کی وجہ

سے اس کو بغور دیکھ نہیں سکے، میں سمجھتا ہوں کہ اگر برادر موصوف اس پر نظر ثانی کرتے تو یہ کتاب اور بہتر شکل میں سامنے آتی اور ان کے مشوروں سے اور زیادہ فائدہ ہوتا۔

میں ان کا ممنون و مشکور ہوں کہ اپنی بے انتہا مصروفیتوں کے باوجود اس پر مقدمہ تحریر کیا، اللہ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

میں مولانا ایس ایم سید ہاشم صاحب ندوی کا بھی نہایت مشکور ہوں کہ وہ اس کتاب کو اپنے مکتبہ سے شائع کررہے ہیں، اللہ تعالی علمی دنیا میں ان کی خدمات کو قبول فرمائے اور مزید خدمات کے لیے راہیں ہموار فرمائے۔

اللہ کے حضور دعا گو ہوں کہ اپنی محبوب زبان کی اس خدمت کو قبول فرمائے اور اس سے لوگوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچے۔ آمین

والسلام

ڈاکٹر عبد الحمید اطہر ندوی

۲۱ ربیع الاول ۱۴۳۳ ہجری

مطابق ۱۴ فروری ۲۰۱۲ء

پیش لفظ

عربی زبان کی دینی حیثیت

مسلمانوں کے نزدیک عربی زبان کی کیا اہمیت ہے؟ اس بارے میں ہم میں سے ہر ایک جانتا ہے، یہ مسلمانوں کی دینی زبان ہے، اسی میں قرآن مجید نازل ہوا ہے، قرآنی تمام علوم اسی زبان میں ہیں؛ تفسیر، اصولِ تفسیر، اسی طرح دیگر شرعی علوم بھی اسی زبان میں ہیں: حدیث، اصولِ حدیث، شروحاتِ حدیث، فنِ رجال، فقہ، اصولِ فقہ وغیرہ، اسی طرح عربی زبان کے سبھی علوم؛ صرف ونحو، بلاغت، علم عروض وقوافی، اشتقاق، اعراب، تضاد وترادف اورعلمِ مخارج وتجوید کے اصل مراجع اسی زبان میں پائے جاتے ہیں۔ ان سبھی علوم کا راست تعلق قرآن مجید سے ہے، کیوں کہ یہ سبھی علوم اسلام کے اس دنیا میں آنے اور قرآن مجید کے نزول کے بعد ہی وجود میں آئے ہیں، اس وجہ سے قرآن کا عربی زبان پر بہت بڑا احسان ہے، ان علوم میں سب سے زیادہ ترجیح قرآنی استعمالات کو ہی دی جاتی ہے اور قرآن کوعربی زبان کا حقیقی اور مرکزی مرجع مانا جاتا ہے۔

اس زندگی کے بعد آنے والی زندگی یعنی قبر، حشر، آخرت کی زبان بھی یہی زبان ہوگی، انسان تمام زبانیں بھول جائے گا اور اس کوعربی زبان سکھا دی جائے گی، اسی وجہ سے یہ زبان جنت کی بھی زبان ہوگی، نبی کریم ﷺ کی زبان ہونے کی وجہ سے بعض علماء نے اس زبان کوسیکھنا ہر ایک کے لیے سنت قرار دیا ہے۔

عربی زبان کی جغرافیائی اہمیت

اس وقت دنیا میں عربی بولنے والوں کی تعداد 422 ملین بتائی جاتی ہے، یہ زبان

بولنے والے عالمِ عرب کے علاوہ ترکی، چاڈ، مالی، سنگالیہ، اریٹیریا اور احواز میں ہیں۔

عالمِ عرب میں بہت سے عیسائی گرجا گھروں کی سرکاری زبان اب بھی عربی ہے اور ان کے دینی شعائر اسی زبان میں ادا کیے جاتے ہیں، اسی طرح قرونِ وسطی میں اہم یہودی فکری اور دینی کام عربی زبان میں ہی ہوا کرتے تھے، یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ یہودیوں کی زبان عبرانی ہے اور اس زبان میں مقبوضہ فلسطین پر یہودیوں کی حکومت قائم ہونے کے بعد ہی کچھ ترقی ہوئی ہے جس کی تاریخ ساٹھ ستّر سالوں کی ہے۔

خلافتِ راشدہ اور اس کے بعد والے ادوار میں اسلام کی نشر و اشاعت اور بہت سے علاقوں میں مسلمانوں کی حکومت کے قیام کی وجہ سے عربی زبان کا مقام و مرتبہ بڑھا، اور جن علاقوں اور ملکوں میں طویل مدت تک مسلمانوں کی حکومتیں تھیں وہاں کی سیاسی، علمی اور ادبی زبان عربی ہی تھی، عالم اسلام میں بہت سی زبانوں پر عربی کا بڑا گہرا اثر ہوا، جن میں ترکی زبان (جس کا رسم الخط کمال اتاترک کے حکومت میں آنے سے پہلے تک عربی تھا) فارسی، امازیگی، کردی، اردو، مالی، انڈونیسی، البانی اور افریقی زبانیں مثلاً ہاوسا، سواحلی وغیرہ ہیں، اسی طرح یورپی زبانوں پر بھی اس کا بہت زیادہ اثر ہوا، خصوصاً وسطی یورپ کی زبانوں پر مثلاً اسپینی، پرتگالی، مالٹا، صقلی زبانیں۔

عربی زبان کی سیاسی اہمیت

عربی عالمِ عرب کی سرکاری زبان ہے، اسی طرح افریقی ممالک میں چاڈ اور اریٹیریا کی بھی سرکاری زبان ہے، اس کے علاوہ مقبوضہ فلسطین پر قائم ناجائز یہودی حکومت اسرائیل کی بھی سرکاری زبان ہے۔ اقوام متحدہ کی چھ سرکاری زبانوں میں سے ایک زبان عربی بھی ہے۔ دنیا میں سب سے زیادہ بولی جانے والی دس زبانوں میں ایک عربی زبان ہے۔

عربی زبان کی معاشی اہمیت

عالم عرب میں جب سے پٹرول کی دریافت ہوئی ہے، اس وقت سے معاشی لحاظ

سے بھی عربی زبان کی اہمیت میں اضافہ ہوا ہے، کیوں کہ عرب مما لک میں خصوصاً خلیجی مما لک میں معاش کے امکانات میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے، پٹرول کی دولت کی وجہ سے یہاں ہر میدان میں ترقی ہورہی ہے اور لوگ یہاں اپنی زندگی کو خوشحال بنانے کے لیے پہنچ رہے ہیں، یہی وجہ ہے کہ عربی کو اپنے معاش کے حصول کے لیے سیکھا جارہا ہے، اس کے سیکھنے والوں میں سبھی مذاہب کے لوگ شامل ہیں۔

عرب ملکوں میں خصوصاً سعودی عرب میں کسی بھی میدان کا ماہر ہو تو اس کی تنخواہ میں اضافہ کے لیے عربی زبان سے واقف ہونا ضروری ہے، ورنہ اس کو بہت ہی کم تنخواہ ملتی ہے، یہی وجہ ہے کہ لوگ عربی زبان سیکھنے پر مجبور ہے۔

لیکن ایک مسلمان دیگر تمام مقاصد کے ساتھ عربی زبان کو اپنے نبی کی زبان کی حیثیت سے سیکھتا ہے اور اس وجہ سے حاصل کرتا ہے کہ اس کی اسلام میں بڑی دینی اہمیت ہے، جس پر مختصر اشارہ ''دینی اہمیت'' کے عنوان میں کیا گیا ہے۔

عربی زبان کے نام

-''لغۃ القرآن''یعنی قرآن کی زبان؛ کیوں کہ قرآن مجید اسی زبان میں نازل ہوا ہے۔
-''لغۃ الضاد'' عرب اپنی زبان کے لیے یہ نام بھی استعمال کرتے ہیں، کیوں کہ حرف ''ضاد'' خصوصیت کے ساتھ عربی زبان میں استعمال ہوتا ہے اور دیگر زبانوں میں بہت ہی کم اور شاذ و نادر استعمال ہوتا ہے، اسی سلسلہ میں عباسی دور کے مشہور شاعر متنبّی کا ایک شعر ہے:

وَبِهِمُ فَخُرُ كُلِّ مَنْ نَطَقَ الضَّا　　　　دَ وَعَوْدُ الْجَانِي وَغَوْثُ الطَّرِيْدِ

''من نطق الضاد'' کہہ کر متنبّی نے عربی زبان بولنے والوں کو مراد لیا ہے۔
-اس کو آخرت اور جنت کی زبان بھی کہا جاتا ہے، کیوں کہ آخرت میں یہی زبان بولی جائے گی۔

زبانوں کا خاندان

زبانوں کو نوح علیہ السلام کے تین بیٹے حام، سام اور یافث کی اولاد کے اعتبار سے خاندانوں میں تقسیم کیا جاتا ہے؛ سام کی اولاد جزیرۂ عرب میں آباد ہوئی، حام کی نسل سے افریقہ کے لوگ ہیں، جب کہ اہلِ یورپ یافث کی نسل سے ہیں۔

عربی زبان کا تعلق سامی زبانوں کے خاندان سے ہے جو افریقی اور ایشیائی زبانوں پر مشتمل ہے، ان زبانوں میں سے کچھ باقی ہیں اور کچھ عہدِ پارینہ کا حصہ بن چکی ہیں۔ استاذ عباس محمود عقاد لکھتے ہیں: ''زمانۂ قدیم کی مشہور سامی زبانیں یہ ہیں: اکادی، اشوری، بابلی، سامی شرقی اور سامی غربی۔ پھر سامی غربی کی دو قسمیں ہیں: شمالی عربی اور جنوبی عربی یعنی معینی سبائی اور حبشی''۔

''ڈاکٹر عبدالحمید محمد ابوسکین نے عربی زبان کے شجرۂ نسب کی کچھ تفصیل حسب ذیل طریقہ پر بیان کی ہے:

زبانوں کے جس گھرانے سے عربی زبان کا تعلق ہے اس کو سامی زبانوں کا خاندان کہا جاتا ہے، اس لیے کہ ان کے بیشتر بولنے والے حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے سام کی نسل سے ہیں......''۔ (القاموس الوحید جلد اول ص ۱۲)

نشو ونما اور تاریخ کے اعتبار سے عربی زبان سامی زبانوں میں سب سے نئی ہے، لیکن یہ اپنی حقیقی سامی زبان سے سب سے زیادہ قریب ہے، اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ عرب صحراء میں رہتے تھے اور ان کا دوسری قوموں اور زبان والوں سے اختلاط نہیں تھا،

جب کہ دوسری سامی زبانیں ان کے بولنے والوں کے دوسری زبان والوں کے ساتھ اختلاط کی وجہ سے یا تو بالکل ہی بدل گئیں یا ان کا نام ونشان باقی نہیں رہا۔

تیسری صدی قبل از ہجرت کے نبطی آثار کی کھدائی سے پتہ چلتا ہے کہ آرامی اور فصحی عربی کے درمیان بہت زیادہ قربت ہے۔(القاموس الوحید جلد اول ص۱۲ بحوالہ ''أبوالأنبیاء'' تالیف: عباد محمود عقاد) سامی زبانوں سے متعلق مزید معلومات کے لیے مولانا عمید الزماں قاسمی کیرانوی کی لغت ''القاموس الوحید'' کے مقدمہ کی طرف رجوع کیا جائے۔

سامی زبانوں میں عربی سے سب سے زیادہ قریب زبانیں؛ آرامی، عبرانی اور کنعانی ہیں، اسی وجہ سے ماہرین لغت عربی زبان کو مغربی سامی زبانوں میں وسطی سامی زبانوں کے مجموعہ میں رکھتے ہیں۔(ویکی پیڈیا (Wikipedia) انسائیکلو پیڈیا۔موضوع: عربی زبان)

عربی زبان کی تاریخ

عربی زبان کی ابتدا:

عربی زبان کی اصل کے سلسلہ میں مختلف آراء ہیں، ایک رائے یہ ہے کہ "یعرب" نامی شخص نے سب سے پہلے عربی زبان بولی، اس وجہ سے اس کے نام پر عربی زبان کا نام رکھا گیا۔

دوسری رائے یہ ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے سب سے پہلے عربی زبان استعمال کی، حدیث نبوی میں ہے کہ اللہ کے نبی اسماعیل بن ابراہیم علیہ السلام کی زبان پر سب سے پہلے فصیح عربی زبان جاری ہوئی اور اسی وقت وہ اپنے والد کی زبان بھول گئے، اس وقت ان کی عمر چودہ (۱۴) سال کی تھی۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ عربی جنت میں حضرت آدم علیہ السلام کی زبان تھی۔ اس نظریہ کی اصل وہ حدیث ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ "تین وجوہات کی بنا پر عربوں سے محبت کرو: کیوں کہ میں عربی ہوں، قرآن عربی میں ہے اور جنت والوں کی زبان عربی ہوگی"۔ اس روایت کو عمومی طور پر محدثین نے ضعیف کہا ہے اور البانی نے موضوع کہا ہے۔

البتہ ان تینوں دعوؤں پر کوئی بھی علمی یا صحیح احادیث میں دلیل نہیں ہے۔

اس موضوع پر علمی تحقیقات کے نتیجہ میں سامنے آنے والی رائے

علمی طریقۂ تحقیق، علوم لسانیات کی تحقیقات، آثار قدیمہ کی تحقیقات اور تاریخ پر نظر دوڑائی جائے تو زیادہ سے زیادہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ عربی زبان اپنی سبھی مشہور بولیوں کے ساتھ ان بولیوں کے مجموعہ اور خاندان سے نکلی ہوئی ہے جن کو قدیم شمالی جزیرہ عرب کی

بولیاں کہا جاتا ہے۔ البتہ جنوبی جزیرہ عرب یا آج کے اعتبار سے یمن اور عمان کے بعض حصوں کی زبانیں شمالی عرب کی زبان سے مختلف ہے (شمال ہی سے عربی زبان وجود میں آئی ہے) ان دو قسم کی بولیوں میں اشتراک صرف اس حیثیت سے ہے کہ یہ سامی زبانوں کے خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔

قدیم مسلم علماء کو اس بات کا ادراک تھا، اسی وجہ سے ابو عمرو علاء (م ۷۷۰ء) کہتے ہیں: ''حمیر کی زبان ہماری زبان نہیں ہے اور ان کی عربی ہماری عربی نہیں ہے''۔

آثار قدیمہ

آثار قدیمہ کے ماہرین نے اب تک منظر عام پر آنے والے قدیم شمالی عربی نقوش اور آثار کو چار قسموں میں تقسیم کیا ہے:

۱۔ حسانیہ (اس کی نسبت الأحساء کی طرف ہے)

۲۔ صفانیہ

۳۔ دیدانیہ

۴۔ ثمودیہ (یہ قوم ثمود کی طرف نسبت نہیں ہے، بلکہ یہ صرف ایک اصطلاح ہے)

ان تمام نقوش میں جو خط استعمال کیا گیا ہے یہ وہی خط ہے جس میں جنوبی جزیرۃ العرب کی زبانیں تحریر کی جاتی ہیں۔ ان نقوش میں سب سے قدیم نقش تاریخ میلاد سے صرف چند صدیوں پہلے کا ہے۔

عربی زبان میں اب تک کی تحقیقات اور کھدائیوں کے نتیجے میں ملنے والے آثار میں سب سے قدیم ''عجل بن ہفعم'' کا نقش ہے جو سعودی عرب کے شہر ''سلیل'' کے قریب ''فاؤ'' گاؤں میں ملا ہے۔ اس میں خطِ مسند استعمال کیا گیا ہے اور یہ ایک صدی قبل میلاد کا ہے۔

دوسرا نقش ''عین عبدات'' کا ہے جو صحرائے نقب میں ہے، اس کی تاریخ پہلی یا دوسری صدی عیسوی ہے۔ یہ نبطی خط میں ہے۔

عربی زبان کے نقوش میں سب سے مشہور نقش ''نقش نمارہ'' ہے جو شام کے صحراء

میں دستیاب ہوا ہے، اس نقش پر 328ء کی تاریخ درج ہے اور یہ نبطی خط میں ہے جو موجودہ عربی خط سے قریب ہے، یہ نقش ایک قبر پر ہے جو حیرہ کے بادشاہ امرؤ القیس بن عمرو کی ہے، اس میں لکھا ہوا ہے کہ یہ عربوں کا بادشاہ ہے۔

لفظ عرب کا سب سے پہلے استعمال

لفظ ''عرب'' کب وجود میں آیا؟ اس کی مکمل تحقیق نہیں ہے، یہی حال اس کے مشتقات یعنی عربیۃ ۔ أعراب وغیرہ کا بھی ہے، ''عرب'' کا نام جس سب سے قدیم آثار قدیمہ میں ملتا ہے وہ آشوری بادشاہ شلمنصر کے ''لوح مسماری'' (Board Cuneiforn) پر ملتا ہے جس کا زمانہ نویں صدی قبل میلادی ہے، اس میں بادشاہ نے آرام کے شاہوں – جو اس کے خلاف دمشق کے بادشاہ کی قیادت میں آئے تھے – پر مشتمل اتحاد پر اپنی فتح کا تذکرہ کیا ہے۔

بعض ماہرین لغات کہتے ہیں کہ لفظ ''عرب'' یونانی اور فارسی قصے کہانیوں میں پایا جاتا ہے، وہ اس لفظ سے جزیرۃ العرب کے بدؤوں کو مراد لیتے تھے، اس وقت کوئی متعین عربی زبان نہیں تھی، بلکہ جزیرۃ العرب میں بسنے والے قبیلے اور قومیں جو بھی زبانیں بولتی تھیں ان کو جزیرۃ العرب کی طرف منسوب کر کے عربی زبان کہا جاتا تھا۔

عربی زبان کی ترقی

سامی زبانوں میں عربی زبان نے اپنی صحرائی زندگی میں ہی بہت زیادہ ترقی کی ہے اور اس میں بہت زیادہ تبدیلیاں بھی رونما ہوئی ہیں، قرآن مجید کے اس زبان میں نزول کی وجہ سے سامی زبانوں میں صرف عربی زبان ہی اپنی اصلیت پر باقی رہی اور عالمی زبان بن گئی، جب کہ اکثر زبانوں کا وجود ہی ختم ہوگیا، صرف چند علاقائی زبانیں ہی اپنے محدود دائرے میں باقی ہیں مثلاً عبرانی اور ایتھوپیا کی زبان یعنی حبشی زبان۔ آج عربی زبان مادری زبان کی حیثیت سے بولنے والوں کی تعداد 422 ملین ہے، جب کہ دوسری زبان کی حیثیت سے اتنی ہی تعداد میں لوگ عربی زبان بولتے ہیں۔

عربی زبان کی قسمیں

اہلِ لغت عربی زبان کو تین بنیادی اور مرکزی قسموں میں تقسیم کرتے ہیں:

ا۔تقلیدی یعنی کلاسیکی عربی: یہ قرآنی عربی ہے، جو صرف دینی اداروں اور تعلیم میں استعمال ہوتی ہے، یہ زبان عام عرب نہیں بولتے ہیں۔

۲۔رسمی اور سرکاری عربی: یہ عالم عرب کی سرکاری زبان ہے اور یہ اسلامی ادب کے علاوہ ادب کی دوسری قسموں میں استعمال ہوتی ہے۔

۳۔عامی زبان: اکثر عرب یہی زبان استعمال کرتے ہیں، عامی عربی میں بہت سی بولیاں ہیں، ایک علاقے کی بولی دوسرے علاقے سے مختلف ہے، جس طرح اردو اور ہندی زبان کی بہت سی بولیاں ہیں۔

دوسری تقسیم

ایک دوسری تقسیم فصیح اور غیر فصیح عربی کی حیثیت سے کی جاتی ہے، پہلی اور دوسری قسم فصیح عربی میں شمار ہوتی ہیں اور تیسری غیر فصیح میں یعنی عامی عربی۔

البتہ مختلف علاقوں کے عربوں کے درمیان آپسی گفتگو کی زبان ''فصیح عربی'' ہی ہے۔کیوں کہ وہ اپنے اپنے لہجہ اور بولی میں گفتگو کریں گے تو دوسرے کی سمجھ میں نہیں آئے گا، مثال کے طور پر یمن کی عربی سعودی والوں کے سمجھ میں نہیں آتی۔

اصل سامی زبان سے سب سے زیادہ قریب

مورخین کہتے ہیں کہ سامی زبانوں میں عربی زبان ''اصلی سامی زبان'' سے سب سے زیادہ قریب ہے، اکثر محققین کا نظریہ یہی ہے، کیوں کہ عربی زبان میں دوسری کسی بھی

سامی زبان کے مقابلہ میں اصلی سامی زبان کے قدیم عناصر سب سے زیادہ پائے جاتے ہیں، عربی میں ایسے تلفظات اور آوازیں ہیں جو کسی بھی دوسری سامی زبان میں نہیں ہیں، اس کے علاوہ اعراب کا نظام، بڑی تعداد میں جمع مکسر کے الفاظ اور جو دوسرے لغوی مظاہر ہیں وہ سب قدیم اور اصلی سامی زبان میں موجود ہیں، ''عدنانی'' یا ''شمالی'' عربی زبان اصل سامی زبان سے سب سے زیادہ قریب مانی جاتی ہے، اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ شمال کے عربوں کا دوسری قوموں کے ساتھ بہت زیادہ اختلاط نہیں ہوا، جس طرح عبرانیوں، بابونیوں اور آشوریوں کا اختلاط دوسری قوموں سے ہوا، وہ صحراء کی وجہ سے دشمنوں کے حملوں اور اجنبی قوموں کی اپنے اوپر حکومت سے بھی محفوظ رہے، اسی طرح ان کی زبان بھی دوسروں کے بہت زیادہ اثر سے محفوظ رہی۔

اسی طرح عربی زبان اصلی سامی زبان کے صفات، امتیازات اور خصوصیات کو باقی رکھنے میں کامیاب ہوئی، اس میں سامی زبان کے اکثر تلفظ محفوظ ہیں، اسی طرح نحوی اور صرفی خصوصیات بھی محفوظ ہیں، عربی زبان نے بعض ایسے حروف کو محفوظ رکھا ہے جو دیگر سامی زبانوں سے مٹ گئے ہیں، مثلاً غ، ح، خ، ض، ظ، **ث، د**۔

اسی طرح اعراب کی علامتیں بھی عربی میں محفوظ ہیں، جب کہ دوسری سامی زبانوں میں یہ علامتیں محفوظ نہیں ہیں، اصل سامی زبان کے اکثر مشتق صیغے مثلاً اسم فاعل، اسم مفعول، اسماء اور افعال کے ساتھ ضمائر کا استعمال مثلاً **بیتــــی** میں ''ی''، **بیتک** میں ''کاف'' اور **بیتــه** میں ''ہ''، اسی طرح **رایتـه** اور **رآنی** وغیرہ۔ عربی زبان میں ضمائر، اسمائے اشارہ اور اسمائے موصولہ کے اکثر صیغے محفوظ ہیں۔

فصیح عربی کی ڈکشنری میں الفاظ کا بہت ہی بڑا خزانہ محفوظ ہے، دوسری سامی زبان اس میدان میں اس کے قریب بھی نہیں پہنچ پائی ہے، جس کی وجہ سے عربی زبان سے مدد لے کر سامی زبانوں کے ماہرین سامی زبانوں میں لغوی موازنہ کر سکتے ہیں، اسی طرح قدیم سامی نصوص کو بھی پڑھ سکتے ہیں، مثلاً آکادی، فینیقی (Phoenician) اوگاریٹی

(Garrity) نصوص، اس سے بھی بڑھ کر عبرانی زبان میں موجود تورات کا بھی مطالعہ کیا جاسکتا ہے، کیوں کہ عبرانی زبان بھی سامی زبانوں کے خاندان سے ہے۔

مختلف عربی بولیوں میں اتحاد

جاہلی ادبی سرمایہ سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اس زمانہ کے عرب قبائل نے ایک فصیح ادبی بولی اور لہجہ پر اتفاق کرلیا تھا، شاعر یا خطیب کسی بھی قبیلہ سے تعلق رکھتا تو وہ اسی فصیح زبان میں اپنے اشعار کہتا، یا خطاب کرتا، قریش کی عربوں میں مرکزی اہمیت رہنے کی وجہ سے قبائل نے ان ہی کی زبان کو اپنے اشعار اور آپسی گفتگو کے لیے اختیار کیا تھا، پھر اسی زبان میں قرآن مجید نازل ہوا اور حدیث نبوی کا خزانہ اسی زبان میں محفوظ ہوا، جس کی وجہ سے پوری دنیا میں قریش کی زبان ہی کو رواج حاصل ہوا۔

زبان اور بولی کے درمیان فرق

بولی کسی متعین ماحول میں زبان کا خاص استعمال ہے، جب تک زبان کی مختلف بولیاں نہ ہوں، زبان اس وقت تک عام نہیں ہوسکتی، یہ مختلف جغرافیائی، اقتصادی اور معاشرتی حالات کا نتیجہ ہوتا ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ زبان تو ایک رہتی ہے لیکن اسی زبان کی کئی بولیاں پائی جاتی ہیں، مثلاً عربی زبان ایک ہے، لیکن اس کی بولیاں قدیم زمانہ میں بھی کئی تھیں، آج بھی کئی ہیں، جس کی تفصیلات آگے بیان کی گئی ہیں۔

زبان مختلف بولیوں کو شامل وسیع ماحول ہے، جن بولیوں کے لہجے اور تلفظات مختلف رہتے ہیں، لیکن یہ سب لغوی مظاہر کے ایک مجموعہ میں مشترک رہتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے درمیان رابطہ آسان ہوجاتا ہے، اور یہ وسیع ماحول مختلف بولیوں سے مل کر بنتا ہے، اس وسیع ماحول کو ہی ''زبان'' کہا جاتا ہے، اسی وجہ سے زبان اور بولی کے درمیان تعلق عام اور خاص کا تعلق ہے، زبان عام رہتی ہے اور بولی خاص رہتی ہے۔

ایک ہی زبان کی مختلف بولیوں میں بنیادی فرق مندرجہ ذیل رہتے ہیں:

۱۔ بعض آوازوں کے مخارج میں فرق پایا جاتا ہے۔
۲۔ بعض آوازوں کے ساتھ نطق سے متعلق اعضاء کے استعمال میں فرق پایا جاتا ہے۔
۳۔ گفتگو کے دوران موسیقی کے نغمہ میں بین فرق معلوم ہوتا ہے۔

قریش کی بالا دستی

قریش کو عربوں میں دینی، معاشی، سیاسی اور لسانی اعتبار سے مرکزی حیثیت حاصل تھی، مورخین نے اس مرکزی حیثیت کے یہی چار وجوہات بیان کیے ہیں:

۱۔ قریش کی دینی حیثیت وغلبہ

مکہ میں کعبہ تھا، کعبہ کی خدمت اور پاسبانی کا فریضہ قریش والے انجام دیتے تھے، جہاں عرب کے بیشتر قبائل اپنے معبودوں کی عبادت اور اپنی قربانیاں پیش کرنے کے لیے آتے تھے، اسی وجہ سے قریش کو تمام عربوں پر طاقت ورنفوذ حاصل تھا۔

۲۔ قریش کا معاشی غلبہ

مکہ والوں کے قافلے جزیرۃ العرب میں ہر طرف تجارت کی غرض سے جاتے تھے اور تمام عرب اپنے دینی تہواروں اور ادبی وتجارتی مواسم میں مکہ میں جمع ہوتے تھے، عرب میں مختلف جگہوں پر تجارتی میلے بھی لگتے تھے، جس کی وجہ سے عرب یہاں سے وہاں سفر کرتے تھے، اس اجتماع کی وجہ سے ان کو آپس میں گفتگو کرنے، اپنے خیالات کا اظہار کرنے، اشعار کے ذریعہ اپنے قبائل پر فخر کرنے، فصاحت، محاسن اور اپنے کارناموں پر فخر کرنے کی ضرورت پڑتی تھی، جس کی وجہ سے عربوں کو زبان، عادات واطوار، دین اور اخلاق کو متحد کرنے میں مدد ملی، شاعر یا خطیب ان ہی الفاظ اور اسالیب کو اختیار کرتا تھا جو سب کے سمجھ میں آنے والے ہوتے تاکہ اس کے چاہنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہو جائے، پھر یہیں سے قبائل اپنے شعراء کے اشعار کو ہر طرف عام کرتے تھے، جس کے نتیجہ میں یہی بولی، لہجہ، اسلوب اور فکر عام ہو جاتی۔

۳۔قریش کا سیاسی غلبہ

ان دینی اور اقتصادی حالات کے ساتھ سیاسی حالات کا بھی اس اتحاد میں دخل ہے، کیوں کہ جزیرۃ العرب کے اطراف میں ایران، روم اور حبش کی سرحدوں پر رہنے والے عربوں کو عیسائی حکومتوں کی طرف سے دباؤ سے واسطہ پڑتا تھا اور عیسائی و یہودی ادیان کا اس زمانہ میں غلبہ تھا، جس کی وجہ سے وہ اپنے بت پرست دین کی حفاظت کے لیے یکجا رہنا ضروری سمجھتے تھے، اسی وجہ سے عربوں نے کعبہ اور اپنے حج کے لیے جانے کی جگہ مکہ کو اپنا مرکز بنایا۔

۴۔قریش کا لسانی غلبہ

مذکورہ وجوہات کی وجہ سے قریش والے اپنی بولی کو تمام عربوں پر نافذ کرنے میں کامیاب ہو گئے، جس کے نتیجہ میں قریش کی بولی تمام عربوں کی ان کی دینی دعاؤں، افکار و احساسات کے اظہار میں اور شعر، خطابت اور حکمت کی باتوں کی تعبیر میں ادبی زبان بن گئی، اسی طرح مختلف قبائل کے درمیان رابطہ کی بھی زبان بن گئی، اس کی سب سے طاقتور دلیل وہ وفود ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بحرین اور یمامہ وغیرہ مشرق و مغرب سے مدینہ میں آتے تھے، ان کے شعراء و خطباء اپنی بولی میں اشعار نہیں کہتے تھے بلکہ قریش کی بولی کا استعمال کرتے تھے، اس میں ان کو کوئی دشواری بھی پیش نہیں آتی تھی، کیوں کہ وہ قریش کی بولی کو ادبی حیثیت سے استعمال کرنے کے عادی تھے، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے داعیوں کو وعظ و نصیحت اور دین کی تعلیمات سے واقف کرانے کے لیے ان کے پاس روانہ کرتے تھے۔

ان تمام عوامل و محرکات نے مجموعی طور پر قریش کی زبان کو غلبہ و کامیابی سے ہم کنار کیا اور اہل قریش کی دینی پوزیشن اور سیاسی و اقتصادی طاقت کی وجہ سے وہ تمام عربوں کی زبان بن گئی۔

عربی زبان کی بے مثال ترقی کا زمانہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد جب خلافتِ راشدہ میں فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا اور دین کی تبلیغ و اشاعت کے نتیجہ میں سریانیوں، قبطیوں، رومیوں اور آشوریوں وغیرہ کے

کثیر تعداد میں دینِ اسلام میں داخل ہونے کی وجہ سے عربی زبان کو بے مثال ترقی حال ہوئی اور یہ سبھی لوگ زبان بولنے کی حیثیت سے عربی بن گئے، شاید ہی تاریخ میں کسی دوسری زبان کو اتنی عظیم اور تیز رفتار ترقی حاصل ہوئی ہو، اس کے دو بنیادی اسباب ہیں:

ا۔عربی زبان نئے دین کی زبان تھی اور یہ اسلامی شریعت کے بنیادی مراجع قرآن وحدیث کی زبان ہے، نماز وغیرہ عبادتوں میں عربی زبان یعنی قرآن مجید کے تھوڑے حصہ کا یاد کرنا ضروری ہے، جس کی وجہ سے عربی زبان سیکھنا ضروری ہوگیا، اسی طرح اموی خلیفہ عبد الملک بن مروان کے زمانہ میں نئے مفتوحہ علاقوں کے دواوین، دستور اور قوانین کو عربی میں منتقل کیا گیا، اس طرح عربی زبان میں انتظامی امور اور حسابات کے میدانوں کی اصطلاحات کے منتقل ہونے کی وجہ سے عربی زبان سیاست اور انتظامی امور کی بھی زبان بن گئی۔

بہت سی قومیں اپنی شناخت کے ساتھ باقی رہیں اور انہوں نے عربی شناخت کو اختیار نہیں کیا مثلاً امزیگ (Apochromat)، ترکی، کردی، ایرانی، بعض آشوری اور سریانی۔ اس کے باوجود انہوں نے عربی زبان کو حاصل کیا، سیکھا اور وہ اپنی مادری زبان کے ساتھ عربی زبان کو بھی پوری طلاقت کے ساتھ بولنے لگے، کیوں کہ کردوں، ایرانیوں اور ترکوں میں سے بہت سوں نے اسلام قبول کیا، مسیحی، یہودی، صابئی دین پر باقی رہنے والوں نے بھی ایک بنیادی اور مرکزی زبان کی حیثیت سے عربی کو سیکھا، کیوں کہ عربی زبان اسلامی حکومت کے گولڈن ایج کے دوران علم وادب کی زبان بن گئی تھی، بلکہ بہت سی قوموں نے اپنی زبانوں کے لیے عربی رسم الخط اختیار کیا، زمانے کے گزرنے کے ساتھ عربی زبان عالم عرب کے بہت سے عیسائی گرجا گھروں میں دینی شعائر کی زبان بن گئی، اسی طرح عصور وسطی (Middle Ages) میں بہت سے یہودی دینی وفکری دستاویزات اسی زبان میں لکھے جاتے تھے۔

جمود کا زمانہ

۱۳ صدی عیسوی کو تاتاریوں نے ہلاکو خان کی قیادت میں مشرقِ عربی پر حملہ کیا، انہوں نے مسلمانوں کے قتل عام کے ساتھ مسلمانوں کا علمی وادبی سرمایہ بھی تباہ وبرباد

کردیا،اس زمانے میں جمود کی منظرکشی مستشرقہ کارین آرمسٹرونگ بالیٹم نے یوں کیا ہے:
’’مملوکی عہد حکومت میں مسلم فقہاء اور علماء فقہی فتاوی اور اجتہادات اور مختلف علوم کی ترقی پر اتنے متوجہ نہیں تھے جتنے ضائع علوم کو جمع کرنے پر توجہ دے رہے تھے‘‘۔اس وقت سے عربی زبان کی اہمیت تو اسلامی ملکوں میں باقی رہی،لیکن عربی زبان کی ترقی رک گئی،عربوں کے سائنسی انکشافات میں جمود آنے اور یورپ میں بیداری کا شعلہ بھڑکنے کی وجہ سے بھی عربی زبان کی ترقی میں ٹھہراؤ آیا۔

لیکن جب عثمانی خلافت قائم ہوئی اور نئے سرے سے اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہونے لگا اور بہت سے ترک باشندوں نے اسلام قبول کیا تو دینی زبان کی حیثیت سے عربی کو قدم جمانے کا موقع ملا اور اناضول اور بلقان کے علاقوں میں اس کو جائے پناہ ملی،اس طرح عربی زبان دوسری سرکاری زبان بن گئی،لیکن عربی زبان کی علمی ترقی میں جمود باقی رہا اور علوم وآداب میں اس کی اہمیت بہت ہی کم ہوگئی،اسی وجہ سے عہدِ عثمانی میں زیادہ قابل ذکر علمی یا ثقافتی کارنامے وجود میں نہیں آئے۔سولہویں صدی شروع ہوئی تو عربی زبان صرف دینی زبان کی حد تک ہی محدود بن کر رہ گئی تھی۔

موجودہ ادبی بیداری اور صورتِ حال

چارسو سالوں تک عربی زبان پر جمود طاری رہا،انیسویں صدی کے اواخر سے تھوڑی سی بیداری شروع ہوئی،اس بیداری کی وجہ مورخین یہ بتاتے ہیں کہ شام اور مصر میں پڑھے لکھے افراد کی کثرت ہوگئی اور بڑی تعداد میں پریس کھلنے کی وجہ سے ثقافتی بیداری شروع ہوئی،عربی میں بہت سے اخبارات اور مجلّات پہلی مرتبہ شائع ہونے لگے،بہت سے ادبی مراکز قائم ہوئے،بڑے بڑے ادباء وشعراء نے عربی زبان کو زندہ کرنے کی کوششیں شروع کی،جن میں قابلِ ذکر نام؛ امیر الشعراء احمد شوقی،شیخ ناصیف یازجی،بطرس بستانی،امین ریحانی، جبران خلیل جبران وغیرہ ہیں۔ان ادباء نے نئے معاجم اور قوامیس کو مرتب کیا مثلاً دائرۃ المعارف،قاموس محیط المحیط۔اسی طرح مختلف فنون میں بہترین کتابیں تالیف کی،اس زمانہ

میں عرب ادباء نے عربی زبان اوراس کے قواعد کو آسان اسلوب میں پیش کیا، عربی زبان کو زندہ کرنے کے لیے عربی صحافت وجود میں آئی جس سے عربی زبان کو بڑا فائدہ ہوا۔

عرب دنیا سے امریکہ وغیرہ ملکوں میں جانے والوں نے وہیں پر عربی زبان کو زندہ کرنے کی کوششیں کی، اخبارات اور مجلّات کو شائع کیا، بہت سے ادبی اور قلمی کلبس قائم کیے، جس کی وجہ سے مہجر میں عربوں کی عربی محفوظ رہی، اس کو ''ادب مہجر'' کہا جاتا ہے۔

اسلامی ادباء اور شعراء نے بھی اس میدان میں بیداری کے شروع دور سے ہی کارہائے نمایاں انجام دیے اور عربی زبان کی ترویج اور ترقی کے لیے بڑی جدوجہد کی، کیوں کہ عربی زبان کی اہمیت سب سے زیادہ اسلام پسند ادباء وشعراء کو ہی ہے اور ہونی بھی چاہیے، اس کی وجہ واضح ہے کہ قرآن وحدیث اور تمام اسلامی علوم اسی زبان میں ہیں، اس موقع پر اسلامی ادب سے متعلق چند باتیں پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں:

اسلامی ادب

بہت سے لوگوں کو غلط فہمی ہے کہ اسلامی ادب سے مراد دینی موضوعات اور مواعظ وغیرہ ہیں، جن کا حقیقی ادب سے کوئی تعلق اور واسطہ ہی نہیں ہوتا، اس میں ادب کے عناصر نہیں پائے جاتے، ادب کے شرائط مکمل طور پر نہیں ہوتے، بس یہ ایک اعتقادی ادب ہوتا ہے، اس ادب کا کوئی معیار نہیں ہوتا، اپنے آپ کو موڈرن کہنے والے ادباء ادب اسلامی کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ بھی کوئی ادب ہے؟ یہ صرف دینی موضوعات پر مشتمل ہوگا، اس میں وعظ ونصیحت ہوگی، کوئی عمدہ خیال اور بلند فکر نہیں ہوگی، عبارت بھی سادہ ہوگی، اس میں کوئی متانت اور پختگی نہیں ہوگی، کوئی ادبی روح نہیں ہوگی، پیرایۂ بیان بھی خوب صورت نہیں ہوگا، اور ادب کے جو آداب ہیں وہ آداب بھی نہیں ہوں گے۔

اسلام میں ادب کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ عرب اپنے آپ کو سب سے زیادہ فصیح اور بلیغ کہا کرتے تھے، اللہ تعالی نے قرآن مجید کے نزول کے ذریعے ان کی فصاحت اور بلاغت کو چیلنج کیا کہ قرآن کی طرح ایک آیت ہی بنا کر پیش کرو، جو

فصاحت وبلاغت میں اس کے مماثل ہو، عربوں نے اس چیلنج کا کوئی جواب نہیں دیا، کیوں کہ قرآن سے زیادہ بلیغ اور فصیح کلام ان کے بس سے باہر تھا، بلکہ اس کا مثل لانا بھی ان کے لیے ناممکن تھا، قرآن ادب عربی کا سب سے بہترین نمونہ ہے، اور سب سے اعلی مثال ہے، یہ فصاحت وبلاغت کے اعتبار سے بھی معجزہ ہے۔

عبداللہ بن مقفع عربی زبان کے مشہور ادیب ہیں، انھوں نے قرآن کے چیلنج کو قبول کرتے ہوئے اس کے مثل لکھنے کی کوشش کی تھی، کئی دنوں تک ایک ہی کمرے میں بیٹھے رہے، آخر تنگ آ کر انھوں نے اپنا قلم توڑ دیا اور کہا کہ یہ کسی انسان کا کلام ہو ہی نہیں سکتا، قرآن کے علاوہ احادیث نبویہ بھی عربی ادب کے شاہکار نمونے ہیں، قرآن کریم کی ادبیت پر مستقل کتابیں لکھی جا چکی ہیں، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''كَلِّمُوا النَّاسَ عَلٰى قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ''، یعنی لوگوں کی عقلوں کو مدنظر رکھتے ہوئے گفتگو کرو۔ یہ ادب کا اصول ہے کہ بات مخاطبین کی سمجھ میں آنے والی ہو، اور اسلوب آسان اور عمدہ ہو، جب ادب میں یہ شرطیں پائی جائیں گی تو ادیب کی بات لوگوں کی عقلوں کے مطابق ہوگی۔

اسلامی ادب کی اس طور پر تعریف کی جاسکتی ہے کہ اسلامی ودعوتی اغراض ومقاصد اور تاریخ کو بہترین اسلوب بیان میں پیش کیا جائے اور دین کی تشریح اور اس کا دفاع اس انداز میں کیا جائے کہ پیش کی جانے والی بات مخاطبین کی سمجھ اور عقل کے مطابق ہو، یہ بات پڑھنے والے یا سننے والے کو اچھی لگے، اور وہ اس سے متاثر ہو، اور اس کے ذہن ودماغ میں اتر جائے، دوسرے الفاظ میں جس عبارت میں اسلامی تعلیمات واقدار سے متعلق واضح فکر وسوچ، بلند مقصد اور روشن تعبیر ہو۔

صالح ادب کو اسلام نے پسند کیا ہے، نبی کریم ﷺ نے بہت سے صحابہ اور صحابہ کے علاوہ متقدمین شعراء کے بہترین اشعار کو سماعت فرمایا ہے اور ان کو پسند کیا ہے، حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ اشعار سنانے کی فرمائش کیا کرتے تھے اور کفار کی ہجو اور اسلام کی سربلندی کے لیے اشعار کہنے کی فہمائش کرتے تھے۔

مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''مختارات من أدب العرب'' کے مقدمے میں ادب عربی اوراس کے مختلف ادوار پر روشنی ڈالتے ہوئے اسلامی ادب کے بارے میں رقم طراز ہیں:

''ان علمی و دینی تالیفات اور تحریروں کی افضلیت، تاثیر وقوت اور جمال وحسن کا راز مسجع ومقفی اوزان سے آزاد ہونا ہی نہیں ہے، بلکہ اس کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ ان تالیفات اور مقالات کو عقیدہ وجذبہ، فکر وسوچ اور عزم وحوصلے کے ساتھ لکھا گیا ہے، اوراس کے علاوہ دوسرے ادبی نمونے عام طور پر کسی بادشاہ، وزیر یا دوست کی فرمائش یا اپنی ادبی خواہش کی تکمیل، یا معاشرے کو دلچسپی کا سامان فراہم کرنے یا تفوق وشہرت کی خواہش کی وجہ سے لکھے گئے ہیں، یہ سب سطحی اسباب ہیں، ان سے تحریر میں قوت اور روح نہیں پیدا ہوتی، اس کو بقا وخلود نہیں ہوتا، اور نہ دلوں میں اس کی کوئی تاثیر ہوتی ہے، ان تحریروں اور دل وعقیدے سے نکلی ہوئی تحریروں کے درمیان فرق انسانی تصویر اور حقیقی انسان کے درمیان فرق کی طرح ہے۔

یہ مومن صفت مولفین جن پر کوئی سوچ یا عقیدہ غالب ہوتا ہے، وہ اپنے ضمیر اور اپنے عقیدے کی آواز پر لکھتے ہیں، اس سے ان کی صلاحیتوں میں جوش پیدا ہوتا ہے، ان کے خیالات میں فیضان آتا ہے، اوران کے دل میں تڑپ پیدا ہوتی ہے، اس کے نتیجے میں معانی کی بارش اور بوچھار شروع ہوتی ہے، الفاظ معانی کے مطابق نکلتے ہیں، اوران کی تحریروں کا اثر پڑھنے والوں کے دلوں پر پڑتا ہے، کیوں کہ یہ بات دل سے نکلی ہوئی ہوتی ہے، اور جو بات دل سے نکلتی ہے اس کی جگہ دل ہی ہے، وہیں جا کر اثر کرتی ہے''۔ (مختارات من ادب العرب ص ۱۵)

ادب اسلامی کے بارے میں مولانا طیب عثمانی ندوی نے بہت اچھی بات لکھی ہے، ملاحظہ ہو:

'' اسلامی ادب چونکہ عظیم مقصد کا داعی ہے، ساری انسانیت کا ترجمان اور عالمگیر سچائیوں کا عکاس ہے، اس لیے وہ تمام باتیں جوایک عظیم اور عالمگیر ادب میں ہوتی ہیں، ان کا یہاں پایا جانا بھی ضروری ہے، وہی فن کی بلندی، مقصدیت کا شعور، اچھا اسلوب، بہتر تکنیک، ادبی لطافت اوران سب کے ساتھ ساتھ سادگی و پرکاری بھی ہونی چاہیے، جو ادب کی جان ہے۔ اسلامی ادب ''ادب برائے زندگی، زندگی برائے بندگی'' کے حیات بخش اور صحت مند اصول ونظریہ پر ساری انسانیت کا ترجمان

ہے''۔ (ادبی کاوشیں۔از:مولانا طیب عثمانی ندوی ص ۷۵)

ادب اسلامی وہ ادب ہے جس میں حیات وکائنات اورانسان کے واقعات وحالات کی بامقصد فنی تعبیر ادیب کے وجدان وشعور کے مطابق کی گئی ہو، ایسی تعبیر ہو جو اللہ عزوجل اوراس کی مخلوقات سے متعلق اسلامی تصور کے سرچشمے سے نکلی ہوئی ہواوراس میں اسلامی قدروں کی مخالفت نہ ہو۔

ادب اسلامی کا میدان بڑا وسیع ہے، اس حقیقت کو مولانا علی میاں رحمۃ اللہ نے یوں تحریر کیا ہے:

''اس ادب کا موضوع آفاق کی طرح وسیع وعریض ہے، اوراس کے پہلو متعدد ہیں، اس میں انسان کے تمام جذبات واحساسات، دلچسپی اور شوق، امیدیں اور تکلیفیں، اچھائیاں اور برائیاں اور دنیا وآخرت شامل ہیں، اسی طرح زندگی کے تمام میدان، سعادت وخوش بختی اور بدبختی، اصول وقدریں شامل ہیں، اسی طرح کائنات کی تمام چیزیں خشکی وتری، آسمان وزمین داخل ہیں، اسی طرح تمام طبعی وفطری چیزیں اور مخلوقات: اڑنے والے پرندے، چرنے والے جانور، فطری مناظر، الٰہی عذابات وغیرہ شامل ہیں۔

اسی بنیاد پر ادب اسلامی صرف دینی موضوعات تک ہی محدود نہیں ہے، بلکہ اس کا دائرہ کار بہت ہی زیادہ وسیع وعریض ہے''۔

(''الأدب الاسلامی''از: مولانا علی میاں ندوی: الأدب الاسلامی فکرتہ ومنہاجہ۔

شائع کردہ: دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ بسلسلہ ادب اسلامی کانفرنس منعقدہ دارالعلوم ص ۶۴)

ڈاکٹر عبدالباسط نے اپنے مضمون ''ملاحظات حول تعریف الأدب الاسلامی'' میں واضح کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شعراء کو کسی مخصوص مسئلے اور موضوع پر ہی شعر گوئی پر مجبور نہیں کیا، وہ لکھتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نے کسی بھی شاعر سے یہ مطالبہ نہیں کیا کہ وہ اپنے اشعار کو صرف اسلامی مسئلہ اور دینی دعوت تک ہی محدود رکھے، اور دوسرے تمام شعری موضوعات کو چھوڑ دے، بلکہ آپ ﷺ نے شعراء سے وہ قصیدے بھی سنے جن میں غزلیہ اشعار تھے، وہ قصیدے بھی سنے جو فخر کے سلسلے میں کہے گئے تھے، اورآپ نے ان اشعار کو سن کر مسکرایا بھی''۔ (اختصار کے ساتھ۔الأدب الاسلامی فکرتہ ومنہاجہ ص ۹۵۔۹۶)

عربی زبان کے علوم

عربی زبان کے علوم چھ ہیں جن میں سے اکثر علوم عربی مدارس میں پڑھائے جاتے ہیں، اس لیے ان کو مختصراً بیان کیا جارہا ہے:

ا۔علمِ نحو

اس علم میں جملہ کی تشکیل کے اصول اور اعراب کے قواعد سے بحث کی جاتی ہے مثلاً مبتدا، خبر، فاعل، مفعول، معرب اور مبنی وغیرہ۔ یہ علوم عربیہ میں سب سے اہم علم مانا جاتا ہے اور اس کو ''جامع الدروس العربیۃ'' کہا جاتا ہے۔

نحو کی تدوین پہلی صدی میں ابو اسود دولی نے کی، اس کی ابتدا کرنے کی نسبت حضرت علی بن ابو طالب کی طرف کی جاتی ہے، ابو اسود دولی سے روایت ہے کہ وہ ایک مرتبہ علی بن ابو طالب کے پاس آئے تو ان کے ہاتھ میں ایک مسودہ تھا، انہوں نے حضرت علی سے اس بارے میں دریافت کیا تو آپ نے کہا: ''میں نے عرب کے کلام پر غور کیا تو مجھے محسوس ہوا کہ یہ بگڑ گیا ہے، اس لیے میں نے ایسی چیز وضع کرنے کا ارادہ کیا جس کی طرف لوگ رجوع ہوں''۔ پھر آپ نے یہ مسودہ ابو الاسود دولی کے سامنے رکھ دیا، انھوں نے اس میں لکھا ہوا پایا: ''کلام یا تو اسم ہے، یا فعل یا حرف، اسم وہ ہے جو مسمی کے بارے میں بتائے، فعل وہ ہے جس کے بارے میں بتایا جائے، اور حرف وہ ہے جو کسی معنی کا فائدہ دے''۔ پھر علی نے کہا: ''انح هذا النحو'' ''اس طریقہ پر چلو، (کہا جاتا ہے کہ علم نحو کا نام اسی جملہ سے نحو پڑا) اور جو تمھیں ملے اس میں اضافہ کرو''۔ اسی وقت سے ابو اسود نے اس میں اضافہ کرنا شروع کیا، یہاں تک کہ آج معروف ومشہور نحو کا ایک بڑا حصہ جمع ہو گیا۔

اس علم کو مدون کرنے کی ضرورت اس وجہ سے پیش آئی کہ جب اسلام اعجمیوں میں

بھی پھیلنے لگا اور عربوں کے علاوہ ان لوگوں کو بھی عربی زبان سے واسطہ پڑا تو ان کی زبان میں بہت سی غلطیاں ہونے لگیں اور حضرت علی کو اس کا احساس ہوا کہ عربی زبان میں بگاڑ آ گیا ہے، اس وجہ سے عربی نحو کے قواعد تحریر کیے گئے۔

علمِ بلاغت

بلاغت حسنِ بیان اور قوتِ تاثیر کو کہتے ہیں، علم بلاغت کو وضع کرنے کا مقصد کلام میں آنے والی ترکیب کو جاننا ہے، علمائے لغت نے اس علم کی تین قسمیں کی ہیں:

-علم المعانی: اس علم کے ذریعہ متکلم یا کاتب اپنے دل میں موجود معانی کی ادائیگی میں الفاظ کی غلطیوں سے بچتا ہے تاکہ سامع کسی کمی اور انحراف کے بغیر اس کی بات کا مطلب سمجھ سکے۔

یہ علم ذاتی تحسین اور خوبصورتی کو جاننے کے لیے وضع کیا گیا ہے۔

علم معانی کی اصطلاحی تعریف: یہ ان الفاظ سے عبارت ہے جن کے معنی واضح ہوں اور عربوں کے نزدیک ان کا استعمال مانوس ہو۔

-علم البیان: اس علم کے ذریعہ معنوی پیچیدگی سے بچا جاتا ہے تاکہ اس کی بات مطلوبہ معنی پر دلالت کرنے میں غیر واضح نہ ہو۔

یہ علم بھی ذاتی تحسین اور خوبصورتی کو جاننے کے لیے وضع کیا گیا ہے۔

علم بیان کی اصطلاحی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ اس کے ذریعہ ایک ہی معنی کو مختلف اسلوبوں سے بیان کرنے کا فن جانا جائے یعنی حقیقت، مجاز، تشبیہ اور کنایہ وغیرہ۔

علم بیان کے ارکان تین ہیں: تشبیہ، مجاز اور کنایہ۔

-علم البدیع: یہ کلام کو خوبصورت بنانے اور اس کو محاسن سے آراستہ کرنے کے پہلوؤں سے واقف ہونے کا علم ہے۔

علم بدیع پیش کرنے کی خوبصورتی اور حسن کو جاننے کے لیے وضع کیا گیا ہے۔

علم بدیع کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ اس علم سے کلام کو خوبصورت بنانے کے وسائل کو جانا جاتا ہے، محسنات کی دو قسمیں ہیں: معنوی اور لفظی۔ اس میں مسجع، طباق، جناس، مقابلہ اور تشبیہ

ہے۔علمائے لغت بلاغت کے ساتھ فصاحت کے تعلق کے بارے میں بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: فصاحت مفرد اور مرکب یعنی جملہ میں ہوتی ہے جب کہ بلاغت صرف جملہ میں ہوتی ہے۔

علم عروض وقوافی

عروض میزانِ شعری یا شعر کی موسیقی وغنائیت کو جاننے کا علم ہے جس میں معتبر شعری اوزان کے احوال سے بحث کی جاتی ہے۔اس علم کو سب سے پہلے مدون کرنے والے دوسری صدی ہجری کے امام لغت وادب خلیل بن احمد ہیں۔

علم اشتقاق

ایک ہی مادہ سے مختلف الفاظ اور صیغوں کو اخذ کرنے یعنی مادہ میں حروف کا اضافہ کرنے کو اشتقاق کہا جاتا ہے، مثلاً **ضــرب** کے معنی صرف مارنے کے ہیں، جب اس میں حروف کا اضافہ کیا جائے تو حروف کے ساتھ معنی میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے، مثلاً **ضارب** (مارنے والا) **مضروب** (مار کھایا ہوا) **یضرب** (وہ مار رہا ہے) **اضرب** (مارو)، **ضَرَبَ** ماضی میں حروف تو ضرب کی طرح تین ہی ہیں، لیکن اس کے معانی میں اضافہ ہو جاتا ہے (یعنی اس نے مارا)، یہ سب الفاظ "**ض ر ب**" میں مشترک ہیں اور اس کی ترکیب کی ہیئت وشکل میں بھی۔

عـلـم کے معنی علم اور سائنس کے ہیں، جب اس میں تاء کا اضافہ کر کے باب "تفعل" میں لایا جائے تو اس کے معنی سیکھنے کے ہو جاتے ہیں یعنی "**تـعـلّـم**" ، باب "تفعیل" میں لایا جائے تو اس کی شکل "**تـعـلیـم**" ہو جاتی ہے جس کے معنی سکھانے کے ہیں، جب اس کا اسمِ فاعل بنایا جائے تو "**عالم**" بن جاتا ہے جس کے معنی جاننے والے کے ہیں، جب اس کا اسمِ مفعول بنایا جائے تو "**مـعـلـوم**" ہو جاتا ہے، اس چیز کو کہتے ہیں جو معلوم ہو، جب اس کو مبالغہ کے وزن میں لاتے ہیں تو "**علّام**" بن جاتا ہے جس کے معنی بہت زیادہ جاننے والے کے ہو جاتے ہیں جو اللہ تبارک وتعالی کی ایک صفت کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے، جب اسی **عـلام** پر تائے تاکید کا اضافہ ہو جائے تو "**عـلامة**" ہو جاتا ہے جس کے معنی بہت زیادہ علم

رکھنے والی شخصیت کے ہو جاتے ہیں، جب باب ''تفعیل'' میں لاکر اس کا اسمِ فاعل بنایا جائے تو اس کی شکل ''**معلم**'' کی ہو جاتی ہے جس کے معنی استاذ کے ہیں، جب باب ''تفعل'' میں لاکر اس کا اسمِ فاعل بنایا جائے تو ''**متعلم**'' بن جاتا ہے جس کے معنی سیکھنے والے طالب علم کے ہو جاتے ہیں۔ جب اس کا اسمِ تفضیل بنایا جاتا ہے تو ''**أَعْلَم**'' کے وزن پر آتا ہے جس کے معنی سب سے زیادہ جاننے والے کے ہوتے ہیں۔ **عَلِمَ** ماضی میں حروف تو **عِلْمٌ** کی طرح تین ہی ہیں، لیکن اس کے معانی میں اضافہ ہو جاتا ہے (یعنی اس نے جان لیا)، جب اس کا مضارع بنتا ہے اور اس میں غائب کی علامت یاء کا اضافہ کیا جاتا ہے تو اس میں غائب مذکر کے لیے حال اور مستقبل کے معنی پیدا ہوتے ہیں مثلاً **یعلم**: وہ جان رہا ہے یا جانے گا۔ جب یاء کی جگہ ہمزہ لگایا جائے تو متکلم واحد کے لیے یہ صیغہ استعمال ہوتا ہے مثلاً **أعلم**: میں جانتا ہوں۔ اگر نون لگایا جائے تو متکلم جمع کے لیے استعمال ہوتا ہے مثلاً **نعلم**: ہم جانتے ہیں۔ جب تاء مخاطب لگائی جاتی ہے تو مخاطب کے معنی پیدا ہوتے ہیں مثلاً **تعلم**: تم جانتے ہو۔ جب تاء تانیث لگائی جاتی ہے تو غائب مونث کے معنی پیدا ہوتے ہیں مثلاً **تعلم**: وہ جانتی ہے۔ اگر امر (یعنی حکم دینا) کے وزن پر لایا جائے تو اس میں حکم دینے اور طلب کے معنی پیدا ہوتے ہیں مثلاً ''**اِعلم**'' جان لیجیے۔ یہ سب الفاظ ''**ع ل م**'' میں مشترک ہیں۔

اسی طرح عربی زبان کے سبھی الفاظ میں ہوتا ہے، البتہ بہت ہی کم الفاظ اس سے مستثنیٰ ہیں، بعض الفاظ جامد استعمال ہوتے ہیں یعنی ان میں اشتقاق نہیں ہوتا ہے مثلاً **نعم**، **ساء**، **حبذا** وغیرہ، ان میں سے بعض صرف ماضی کے لیے استعمال ہوتے ہیں اور بعض صرف امر کے لیے۔ ان کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ ان کی تعداد سو سے زیادہ نہیں رہے گی۔

علمِ اشتقاق کی اہمیت یہ ہے کہ اس کے ذریعہ محقق کلامِ عرب کو سمجھنے میں گہرائی اور تعمق حاصل کر سکتا ہے، یہیں سے شارع کے کلام کو سمجھنے میں بھی اس کو گہرائی حاصل ہوتی ہے۔

طلبہ کے لیے ایک مشورہ: ڈکشنری دیکھتے وقت صرف مطلوبہ لفظ ہی نہ دیکھیں بلکہ اس کے جتنے بھی مشتقات ہیں سب پر ایک نظر ڈالی جائے، مثلاً جب ''**خلق**'' کو دیکھا جائے تو اس مادہ سے نکلے ہوئے تمام الفاظ پر ایک نظر ضرور دوڑائی جائے............

علمِ صرف

ان اصولوں سے واقفیت جن کے ذریعہ کلمہ کے اوزان کے حالات معلوم کیے جاتے ہیں، اس کا موضوع مذکورہ حالات کے اعتبار سے عربی الفاظ ہیں یعنی یہ لفظ صحیح ہے یا معتل، اصل یعنی مجرد ہے یا مزید فیہ۔

صحیح سے مراد وہ لفظ ہے جس میں تمام حروف صحیح ہوں یعنی کوئی حرفِ علت نہ ہو، حروف علت تین ہیں: الف، واو اور یاء۔ مثلاً **ذهب، أكل، رحم** وغیرہ۔

معتل سے مراد وہ لفظ ہے جس میں کوئی حرف علت پائی جاتی ہو۔ مثلاً **وفـــــی، اعتنى، قضى، وقى، وجد، وهب، وصل** وغیرہ

اصل یا مجرد سے مراد وہ لفظ ہے جس کے تمام حروف اصلی ہوں، مثلاً **رضى، تاب، جاء، رجع، راب** وغیرہ

مزید فیہ سے مراد وہ لفظ ہے جس میں کوئی حرف زائد ہو مثلاً **ارتضى** (اس میں الف اور تاء زائد ہیں، اس کے اصلی حروف **ر، ض، ی** ہیں) **استتاب** (اس میں **ا، س، ت** زائد ہیں، اس کے اصلی حروف **ت، الف** (یہ بھی واو سے بدلا ہوا ہے)، **ب** ہیں)۔

عام طور پر ''علم اشتقاق'' اور ''علمِ صرف'' کو ''صرف'' کی کتابوں میں ہی موضوع بنایا جاتا ہے اور ان دونوں علوم کو ایک ساتھ پڑھایا جاتا ہے۔

اعراب

اعراب سے مراد آخری حرف پر ظاہر ہونے والی علامتیں یعنی ضمہ، نصب اور کسرہ، جو نحوی قواعد اور اصولوں کی وجہ سے کلمہ کے آخری حرف میں بدلتا رہتا ہے، جس کو جملہ میں پائے جانے والے ہر کلمہ ولفظ کے آخری حرف پر آنے والا اعراب کہا جاتا ہے۔

اعراب کی حیثیت سے کلمہ کی دو قسمیں کی جاتی ہیں: معرب اور مبنی۔

معرب سے مراد جس کلمہ پر اعراب ظاہر ہوتا ہے اور بدلتا رہتا ہے۔ مثلاً فعل مضارع

کا آخری حرف کا اعراب بدلتا رہتا ہے، کبھی مرفوع رہتا ہے، کبھی منصوب اور کبھی مجزوم۔

مبنی سے مراد جس کلمہ کے آخری حرف کا اعراب بدلتا نہیں ہے۔ مثلاً فعل ماضی کا آخری حرف ہمیشہ منصوب ہی رہتا ہے۔

اعراب کی عربی زبان میں بڑی اہمیت ہے، اسی کے ذریعہ فاعل اور مفعول کے درمیان امتیاز ہوتا ہے، خصوصاً جب کسی وجہ سے فاعل کو موخر کر کے مفعول کو مقدم کیا جائے۔

اعراب کی وجہ سے ہم جملے میں تقدیم اور تاخیر کر سکتے ہیں اور اس کی وجہ سے دوسرے مناسب معنی کا فائدہ بھی ہو جاتا ہے، اس کے باوجود الفاظ کے مراتب بھی محفوظ رہتے ہیں، مثلاً فاعل کو اگر موخر کر دیا جائے تو وہ فاعل ہی رہتا ہے اور مفعول کو مقدم کریں تو وہ مفعول ہی رہتا ہے، لیکن اس تقدیم و تاخیر سے بلاغت کے نئے معانی حاصل ہوتے ہیں۔

مثلاً اگر فاعل اور مفعول میں سے مفعول کے بارے میں زور دے کر بتانا اور اسی کو ٹارگیٹ بنا کر خبر دینا مقصود ہو تو بلاغت کے ایک اصول کے مطابق مفعول کو مقدم کیا جائے گا......ایک شخص کھانے کے وقت گھر پہنچتا ہے، عام طور پر اس وقت کھانا گھر میں تیار رہتا ہے، بیوی سے کھانا لگانے کے لیے کہتا ہے تو بیوی اصلاً یہ بتانا چاہتی ہے کہ کھانا ختم ہو چکا ہے اور ضمناً یہ بھی بتانا چاہتی ہے کہ اسی کے بیٹے نے پورا کھانا صاف کیا ہے تاکہ وہ کھانے والے کے بارے میں سوال نہ کرے اور غصہ بھی نہ ہو تو اس صورت حال میں مفعول کو مقدم کیا جاتا ہے، اس وقت بیوی کہے گی: ''**قد أكل الطعام كله إبنك**'' پورا کھانا تمھارے بیٹے نے کھالیا ہے۔

مدارس میں علمِ اعراب کو عام طور پر نحو کے ساتھ ملا کر پڑھایا جاتا ہے۔

ترادف اور تضاد

مترادف سے مراد وہ لفظ ہے جس کے معنی پر دلالت کرنے والا کوئی دوسرا لفظ موجود ہو لیکن اس کا نطق الگ ہو، مثلاً شیر کے لیے ''أسد، سبع، ليث'' وغیرہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں، عربی زبان کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں کسی بھی دوسری زبان کے مقابلے میں کثرت سے مترادفات پائے جاتے ہیں، مثلاً تلوار کے لیے ایک ہزار الفاظ ہیں، شیر کے

لیے پانچ سو، اژدہے کے لیے دوسو اور شہد کے لیے اسّی سے زائد۔ چوتھی صدی ہجری کے ماہرین زبانِ عربی میں سے ایک ابن فارس کہتے ہیں:

''اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ ہر زبان ویسے ہی وضاحت کر سکتی ہے جیسی وضاحت عربی زبان کرتی ہے تو یہ خیال غلط ہے، کیوں کہ اگر ہم فارسی زبان میں تلوار کی تعبیر کرنا چاہیں تو ہمیں صرف ایک ہی لفظ ملے گا، کوئی دوسرا نہیں، جب کہ عربی زبان میں تلوار کے لیے بہت سی صفات ہیں، اسی طرح شیر اور گھوڑا وغیرہ ان الفاظ میں سے ہیں جن کے مترادفات پائے جاتے ہیں، پھر دیگر زبانوں کا عربی سے کیا مقابلہ؟ دیگر زبانوں میں عربی زبان جیسی وسعت کہاں ہے؟''۔

بہت سے علمائے لغت کا یہ بھی نظریہ ہے کہ کسی ایک معنی پر دلالت کرنے والے بہت سے عربی کے الفاظ اصلاً مکمل طور پر مترادفات نہیں ہیں، کیوں کہ ان الفاظ کے درمیان باریک فروق پائے جاتے ہیں، جن کو بہت سے لوگ جانتے نہیں ہیں، اسی وجہ سے وہ ان کے معانی کو ایک ہی گمان کرتے ہیں، ابوالعباس احمد بن یحیی ثعلب کہا کرتے تھے کہ بعض لوگ جن الفاظ کو مترادفات کہتے ہیں دراصل وہ متضاد ہیں، ابوعلی فارسی سے روایت ہے کہ انہوں نے یہ بات کہی:

''میں حلب میں سیف الدولہ کی مجلس میں تھا، وہاں بہت سے ماہرین لغت تھے، ان میں ابن خالویہ بھی تھے، ابن خالویہ نے کہا: مجھے تلوار کے پچاس نام یاد ہیں۔ ابوعلی مسکرائے اور کہا: مجھے تو اس کا صرف ایک ہی نام یاد ہے اور وہ ہے ''**السیف**''۔ ابن خالویہ نے کہا: پھر ''**مھند، صارم**'' وغیرہ کیا ہیں؟ ابوعلی نے جواب دیا: یہ صفات ہیں۔

ابن فارس کی رائے اپنے استاذ ثعلب کی رائے ہی ہے، وہ کہتے ہیں:

''ایک ہی چیز کو مختلف نام دیے جاتے ہیں مثلاً ''**الیسف، الحسام، المھند**''۔ اس سلسلہ میں ہم کہتے ہیں کہ نام تو ایک ہی ہے، وہ ''**السیف**'' ہے، اس کے بعد جو القاب ہیں وہ صفات ہیں۔ ہمارا مسلک یہ ہے کہ ان میں سے ہر صفت کے دوسری صفت سے ہٹ کر الگ معنی ہیں ....''۔

موجودہ عربی بولیاں اور لہجات

''معهد الصيف العالمی للغويات'' کے سروے کے مطابق عربی زبان کی بہت سی بولیاں اور لہجات ہیں، جن کی جغرافیائی تقسیم مندرجہ ذیل انداز میں کی جاسکتی ہے:

☆ جزیرۃ العرب کی بولیاں

-خلیجی بولی: اس لہجہ میں خلیج کی حکومتوں مثلاً کویت، بحرین، قطر، امارات کے لوگ بولتے ہیں، عمان اور سعودیہ کے بعض لوگ بھی اسی لہجہ میں بولتے ہیں۔

-عمانی بولی: اس کو ''عمانی حضری بولی'' بھی کہا جاتا ہے، اس لہجہ میں بولنے والے سلطنت عمان میں جبال الحجر اور اس سے متصل بعض ساحلی علاقوں کے باشندے ہیں، کینیا اور تنزانیا کے ساحل پر بسنے والے عرب تجار کی اکثریت بھی اسی لہجہ میں بولتی ہے اور یہاں کے دیگر مسلمان بھی یہی لہجہ اختیار کیے ہوئے ہیں، لیکن آج وہاں کے اکثر باشندے سواحلی زبان بولتے ہیں۔

-حجازی بولی: سعودی عرب کے علاقہ حجاز والے یہ لہجہ بولتے ہیں، حجاز میں بھی دو لہجے ہیں، ایک لہجے میں حجاز کے بدوی باشندے بولتے ہیں اور یہ نجدی لہجہ کے مشابہ ہے، دوسرے لہجہ میں شہری باشندے بولتے ہیں یعنی جدہ، مکہ، ینبع، رابغ اور مدینہ منورہ کے باشندے، یہ لہجہ سوڈان میں اہلِ خرطوم اور مصر کے صعید والوں کے لہجے سے مشابہ ہے۔

-نجدی بولی: نجد یعنی وسطی سعودیہ اور اردن، شام اور عراق کے دیہاتوں میں رہنے والے اس لہجہ میں بولتے ہیں۔

-بحرینی بولی: اس لہجہ میں بحرین والے اور سعودیہ میں منطقہ شرقیہ کے بعض علاقوں والے بولتے ہیں، اسی طرح عمان کے بعض علاقوں میں یہ بولی بولی جاتی ہے۔

-ظفاری بولی: اس لہجہ میں عمان کے علاقہ صلالہ اور ریاست ظفار والے بولتے ہیں
-یمنی بولیاں: ان لہجوں میں یمن اور سعودیہ کے جنوب مغرب میں رہنے والے بولتے ہیں، صومالیہ اور جیبوٹی والے بھی اسی لہجہ میں بولتے ہیں، یمنی بولی کئی لہجوں میں تقسیم ہے: حضرمی لہجہ، صنعانی لہجہ، عدنی لہجہ۔
-عراقی لہجہ: یہ بولی تقریبا ۲۹ ملین لوگ عراق اور شام کے مشرقی علاقوں اور احواز (عربستان) میں بولتے ہیں، اس علاقہ میں نطق کے طریقہ میں واضح اختلافات معلوم ہوتے ہیں، ملک کے جنوب میں بسنے والے باشندے جزیرۃ العرب اور خلیج والوں کے مشابہ لہجے میں گفتگو کرتے ہیں، جب کہ شمالی علاقوں میں بسنے والوں کا لہجہ مختلف ہے، اسی بولی سے بعض لہجے نکلتے ہیں جن میں اس سے متصل شام، ایران اور ترکی کے علاقوں کے لوگ بولتے ہیں، مثلاً ایک مصلاوی لہجہ ہے جس میں عراق کے شمال، شام کے شمالی علاقوں یعنی موجودہ جنوب مشرقی ترکی میں بسنے والے تقریباً سات ملین لوگ گفتگو کرتے ہیں۔

فصیح عربی سے سب سے زیادہ قریب بولی

-ملکِ شام کی بولی: اسی بولی سے شامی، لبنانی، اردنی لہجے، فلسطینی لہجے اور قبرصی لہجہ نکلا ہوا ہے، اس لہجہ میں لبنان، شام، اردن، فلسطین، مقبوضہ فلسطین، قبرص اور ترکی کے تقریباً ۳۵ ملین لوگ بولتے ہیں، یہ بولی فصیح زبان سے سب سے زیادہ قریب ہے اور یہی بولی پوری دنیا میں سب سے زیادہ متداول اور استعمال کی جانے والی ہے۔

عالم عرب میں سب سے زیادہ سمجھی جانے والی بولی

-مصری بولی: مصر میں تقریباً اسّی (۸۰) ملین لوگ یہ بولی بولتے ہیں، عالم عرب میں یہ بولی سب سے زیادہ سمجھی جانے والی مانی جاتی ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ مصری ٹیلی ویژن، فلموں، گانوں کو بڑا رواج حاصل ہے۔ اس میں بھی مختلف لہجے ہیں، مثلاً صعیدی لہجہ، اسکندری لہجہ، قاہرہ کا لہجہ۔

-سوڈانی بولی: سوڈان والے اس لہجہ میں گفتگو کرتے ہیں، سوڈان کی اراضی بہت زیادہ وسیع ہونے اور مختلف قبائل اور نسلوں کے لوگوں کی اس علاقہ میں موجودگی کی وجہ سے اس بولی سے بھی مختلف لہجات نکلے ہوئے ہیں، اس بولی میں ہر لفظ کا مخرج فصیح زبان کے مقابلہ میں الگ ہے۔

-چاڈی بولی: عمومی طور پر چاڈ والے یہ بولی بولتے ہیں، یہ مالی، کیمرون، نیجر، شمالی نائجیریا اور مغربی سوڈان میں عام ہے، اس لہجہ میں بولنے والوں کی تعداد تقریباً دس لاکھ ہے، یہ بولی اس علاقے کے اکثر حصوں میں مشترکہ رابطہ کی زبان مانی جاتی ہے۔

فصیح عربی سے سب سے زیادہ دور بولی

-مراقشی بولیاں: اس میں حسانی لہجہ، مالطی لہجہ، جزائری لہجہ، ٹیونسی لہجہ، لیبیائی لہجہ، مغربی لہجہ، صقلی لہجہ (یہ اب ناپید ہوگیا ہے) اندلسی لہجہ (یہ اب ناپید ہوگیا ہے) شامل ہیں، اس لہجہ میں بولنے والوں کی تعداد مراقش، موریطانیا، مغربی صحراء، جزائر، ٹیونس، لیبیا، نیجر، مالی کے بعض علاقوں اور شمال مغربی مصر میں بولنے والوں کی تعداد 90 ملین سے زائد ہے۔ یہ بولی فصیح عربی سے سب سے زیادہ دور ہے، اس بولی نے الگ الگ علاقوں میں امزیگی زبان اور فرنچ کا بڑے پیمانہ پر اثر قبول کیا ہے۔ اندلسی لہجہ اندلس، ایبیریون، قوط، سقالبہ اور امازیگ کے باشندوں کی بولی تھی، جو پندرہویں صدی عیسوی تک چلی، صقلیہ لہجہ میں جزیرہ صقلیہ اور جنوبی اٹلی میں رہنے والے چودھویں صدی عیسوی تک بولتے تھے، اسی بولی نے ترقی کرکے زبانِ مالٹا کی شکل اختیار کرلی ہے۔

وہ ممالک جن کی سرکاری زبان عربی ہے

ذیل میں ان ممالک کی فہرست دی جارہی ہے جو عربی زبان کوسرکاری زبان مانتے ہیں، ضروری نہیں ہے کہ ان ملکوں میں صرف عربی زبان ہی سرکاری زبان ہو، اس فہرست میں اسرائیل بھی شامل ہے جس کو ہم قانونی ملک نہیں مانتے ہیں، بلکہ اس کا قبضہ ناجائز مانتے ہیں، مندرجہ ذیل فہرست انسائیکلو پیڈیا آف وکی پیڈیا سے لی گئی ہے:

شمار	ملک کا نام	انگریزی متبادل	آبادی
۱	مصر	Egypt	80,335,036
۲	سوڈان	Sudan	39,992,490
۳	الجزائر	Algeria	34,858,000
۴	مراقش	Morocco	33,757,175
۵	عراق	Iraq	26,783,383
۶	سعودی عربیہ	K.S.A	24,735,000
۷	یمن	Yemen	22,230,531
۸	شام	Syria	20,314,747
۹	چاڈ	Chad	10,146,000
۱۰	ٹیونس	Tunisia	10,102,000
۱۱	صومالیہ	Somalia	9,118,773
۱۲	اسرائیل	Israel	7,184,000

۱۳	لیبیا	Libya	6,546,000
۱۴	اردن	Jordan	5,924,000
۱۵	متحدہ عرب امارات	U.A.E	4,496,000
۱۶	آرٹیریا	Eritrea	4,401,000
۱۷	لبنان	Lebanon	4,099,000
۱۸	فلسطین	Phalesteen	3,800,000
۱۹	عمان	Amman	3,204,897
۲۰	کویت	Kuwait	3,100,000
۲۱	موریتانیا	Mauritania	3,069,000
۲۲	قطر	Qatar	841,000
۲۳	جزر القمر	Comoros	798,000
۲۴	بحرین	Bahrain	708,573
۲۵	جیبوٹی	Djibouti	496,374
۲۶	صحراء غربیہ	Western Sahara	341,000
	جملہ		359288109

عربی رسم الخط استعمال کرنے والی زبانیں

دنیا کی بہت سی زبانیں عربی رسم الخط کا استعمال اپنی تحریروں میں کرتی ہیں، عربی کے ابجدی حروف کے علاوہ زائد حروف علاقہ کے ماحول کی وجہ سے پائے جاتے ہیں، عربی رسم الخط استعمال کرنے کی وجہ محققین نے یہ بیان کی ہے کہ جن زبانوں میں پہلے لکھنے کا رواج نہیں تھا تو اسلامی فتوحات یا عربی زبان کی حیثیت مادری زبان کے بعد دوسرے نمبر پر ہونے یا قرآنی زبان ہونے یا ان کے پاس اسی زبان کے حروف ابجدی پہنچنے کی وجہ سے عربی رسم الخط اختیار کیا۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ایک زمانہ میں تعلیم کا عام رواج تھا اور ہر مسلمان - چاہے وہ کوئی بھی زبان بولتا ہو- عربی رسم الخط میں لکھتا تھا، اسی وجہ سے عصور وسطی میں عربی رسم الخط کا سب سے زیادہ استعمال شروع ہوا۔

موجودہ زمانہ میں عربی رسم الخط استعمال کرنے والی زبانیں مندرجہ ذیل ہیں: فارسی، کردی جو شمالی عراق اور اس سے متصل علاقوں میں آباد کردوں کی زبان ہے، اردو، کشمیری، پشتو، طاجیکی، مشرقی ترکستانی، بہاسا (برونای، آتشیہ اور جاوہ کی زبان)

ترکی زبان کا رسم الخط بھی کمال اتاترک کی طرف سے عیسائی اور یہودی سازش کے نتیجہ میں خلافت کا خاتمہ کیے جانے سے پہلے عربی ہی تھا، لیکن اب نہیں ہے۔

عربی زبان کے اثرات دیگر زبانوں پر

عربی زبان کے مفردات اور لغوی اوزان کا اثر بہت سی زبانوں پر پڑا ہے، کیوں کہ عربی زبان کو مسلمانوں کے نزدیک تقدس حاصل ہے اور اس کے جغرافیائی اور تجارتی محرکات واسباب بھی ہیں، مندرجہ ذیل زبانوں میں تیس فیصد سے زائد مفردات عربی زبان کے استعمال ہوتے ہیں:

اردو، فارسی، کشمیری، پشتو، طاجیکی، ترکی کی تمام زبانیں، کردی، عبرانی، ہسپانوی، صومالی، سواحلی، تنکرینی، تجری، ارومی، فولانی، ہاوسا، مالٹا، بہاسا، مالدیپی وغیرہ۔

ان میں سے بعض زبانیں عربی کے ابجدی حروف استعمال کرتی ہیں، ان میں سے اردو، فارسی، کشمیری، پشتو، طاجیکی، مشرقی ترکستانی، کردی، بہاسا (برونائی، آتشیہ اور جاوہ کی زبان)

جرمن، انگریزی، اسپینی، پرتگالی، فرنچ زبانوں میں بھی بہت سے عربی کے الفاظ شامل ہوگئے ہیں، یہ اندلس کے راستے سے آئے اور صلیبی جنگوں کے دوران طویل مدت تک ثقافتی ملاپ کی وجہ سے داخل ہوئے، بعض الفاظ ذیل میں پیش ہیں:

عربی لفظ	انگریزی لفظ
کیمیاء	Alchemy
الکحول	Alcohol
الجبر	Algebra
سکر	Suger
قطن	Cotton
أمیرالبحر	Admiral

وادی	Wadi. Velly
قھوۃ	Coffee
غزال	Gazelle

مذکورہ الفاظ فرنچ، ہسپانوی، پرتگالی، جرمن اور ترکی وغیرہ دنیا کی بہت سی زبانوں میں بھی مستعمل ہیں۔

ڈاکٹر سلیمان ابوغواش نے اس موضوع پر ایک کتاب تحریر کی ہے، جس کا نام ہے ''**عشرة آلاف كلمة إنجليزية من أصل عربي**'' (دس ہزار انگریزی الفاظ جن کی اصل عربی ہے) اس کتاب کے عنوان سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ انگریزی الفاظ کا بڑا خزانہ عربی زبان کا مرہونِ منت ہے۔

عربی زبان پر دوسری زبانوں کے اثرات

عربوں اور دیگر اقوام کے درمیان اختلاط کے باوجود عربی زبان پر دوسری زبانوں کا زیادہ اثر نہیں ہوا، کیوں کہ عربی زبان کے قواعد اور اوزان اپنی اصلی حالت پر باقی رہے، البتہ عربی زبان میں عاریتاً بعض دوسری زبانوں کے الفاظ ان مفردات اور چیزوں کے لیے گئے ہیں جو عرب میں نہیں تھیں مثلاً فارسی اور یونانی زبانوں کے بعض الفاظ۔

موجودہ زمانے میں نئی ایجادات کے لیے یورپی زبانوں سے بعض الفاظ لیے گئے ہیں مثلاً سیاسی اصطلاحات: **امبريالية. أيديو لوجيا** وغیرہ...... علوم وفنون کے میدان میں **رومانسية، فلسفة**...... ٹکنیکی چیزوں میں مثلاً **باص، راديو، تلفون، كمبيوتر**۔

عربی زبان کے لیے یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، بلکہ قدیم زمانے میں بھی دوسری زبانوں سے الفاظ عاریتاً لیے گئے ہیں یعنی صرف ان چیزوں اور مفردات کے جو عرب میں موجود نہیں تھے مثلاً **نرجس. آجر. زنبق. جوهر. طربوش. مهرجان. باذنجان. توت. طازج. فيروز** وغیرہ فارسی سے......

البتہ عربی زبان کے مراکز نے نئی ایجادات کے لیے عربی الفاظ وضع کیے ہیں، لیکن

ہرمتبادل کورواج حاصل نہیں ہوا،مثلاً کمپوٹر کے لیے **حاسوب**،ٹیلفون کے لیے **ھاتف**، موبائیل کے لیے **جوال**،ریڈیو کے لیے **مذیاع**، لاوڈاسپیکر کے لیے **مکبر الصوت** ، اسٹیریو کے لیے **مجسم الصوت**،کیسٹ کے لیے **شریط**،اے سی کے لیے **مکیف**، ویکیم کلینز کے لیے **مکنسة کھربائیة**،روبوٹ کے لیے **إنسان آلی** ،ریمورٹ کنٹرول کے لیے **متحکم من بعد** ،ریسیور کے لیے **سماعة الھاتف**،واشنگ مشین کے لیے **غسالة**،کی بورڈ کے لیے **طاولة المفاتیح**،ہارڈ ڈسک کے لیے **قرص صلب**،مدربورڈ کے لیے **لوح أساسی** ،اسپیکر کے لیے **مجھار** ،مکسر اورگرانڈر کے لیے **خلاط**،استری کے لیے **مکواة** وغیرہ۔

عربی زبان کی خصوصیات

اللہ تبارک وتعالی نے اپنی مقدس کتاب قرآن مجید کے نزول کے لیے عربی زبان کا انتخاب کیا، اس کی وجہ اس زبان میں پایا جانے والا حسن وکمال ہے جو اس کے علاوہ دوسری کسی بھی زبان میں نہیں پایا جاتا ہے، یہ بات ہم مسلمان ہونے کی حیثیت سے عربی زبان کے ساتھ تعصب کی بنیاد پر نہیں کہتے، بلکہ عربی زبان کی حقیقت اس بات کی گواہی دیتی ہے، اس زبان کے ہر پہلو میں ممتاز خصوصیات پائی جاتی ہیں، بعض خصوصیات اختصار کے ساتھ اس موقع پر پیش کی جارہی ہیں:

حروف کے امتیازات اور صوتی خصوصیات

عربی زبان کو نطقی اور صوتی امتیازات کی وجہ سے دیگر زبانوں پر امتیاز حاصل ہے، عربی زبان کے حروف کے مخارج متعین اور طے شدہ ہیں، اور اس کا دائرہ حلق کے نچلے حصے سے دونوں ہونٹوں کے باہری حصے تک ہے، یعنی عربی زبان اپنے مخارج میں ایک طرف دو ہونٹوں کے درمیان، دوسری طرف حلق کے نچلے حصے تک تقسیم ہے جس میں زبان، تالو، منہ کا اندرونی حصہ، حلق کا ابتدائی حصہ اور آخری حصہ سبھی شامل ہیں، جب کہ دیگر زبانوں میں حروف کی تعداد عربی کے حروف کی تعداد یعنی اٹھائیس یا انتیس سے تو زیادہ ہے، لیکن ان کے مخارج کا دائرہ بہت ہی تنگ ہے، اکثر بڑی زبانوں کے مخارج صرف دو ہونٹوں اور ان سے متصل منہ اور ناک تک ہی محدود ہیں یا صرف حلق کے پہلو میں ہی جمع رہتے ہیں مثلاً انگریزی زبان کے مخارج منہ کے ابتدائی حصے سے ہونٹوں تک ہی ہیں، ان دونوں صورتوں میں صوتی افق میں تنگی پائی جاتی ہے اور صوتی میزان میں خلل ہوتا ہے اور حروف کی صحیح تقسیم نہ ہونے کی وجہ سے صوتی ہم آہنگی اور حسن کا فقدان پایا جاتا ہے۔

دائرے کے وسیع ہونے کی وجہ سے صوتی ہم آہنگی میں توازن اور پختگی پائی جاتی ہے اور عربی کے الفاظ کے درمیان طاقت ور ربط وتعلق پایا جاتا ہے،عربی زبان کی ہر آواز کا ایک وصف اور مخرج ہے، اسی طرح اشارہ، دلالت، اندرونی معانی اور انسانی کانوں کے لیے غنائیت اور موسیقی پائی جاتی ہے،اس کی گواہی مستشرق ماسینون نے ۱۹۴۹ءکو اپنے اس محاضرہ کے دوران دی تھی جواس نے مختلف زبانوں کی ترکیب کے بارے میں دیا تھا۔

عربی زبان کے حروف میں تکرار نہیں پایا جاتا ہے، جب کہ دوسری زبانوں میں حروف کا تکرار واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے۔

مثلاً انگریزی میں کمیٹی کے لیے مندرجہ ذیل حروف استعمال ہوتے ہیں:

committee

عربی میں ایک ہی حرف مکرر استعمال نہیں ہوتا ہے، دو یکساں حروف استعمال ہوتے بھی ہیں تو اس کو تشدید دی جاتی ہے، جو عربی زبان کی ایک خصوصیت ہے، مثلاً **فـــرّ** کہیں گے، **فَرَرَ** نہیں کہیں گے۔

حروف کے ایک دوسرے سے ربط اور امتزاج واجتماع کی وجہ سے بننے والے الفاظ اور کلام کی دوسری زبانوں میں مثال نہیں پائی جاتی ہے، کیوں کہ اس امتزاج اور ربط سے الفاظ اور نطق دونوں میں وحشت اور اجنبیت باقی نہیں رہتی ہے اور الفاظ کی ادائیگی میں بھاری پن اور ثقالت نہیں رہتی ہے۔

مثلاً عربی زبان میں ''**زا**'' کے ساتھ ''**طاء**، **سین**، **ضاد** اور **دال** نہیں آتے۔

جیم کے ساتھ **قاف**، **ظاء**، **غین اور صاد** نہیں آتے۔

حاء ''**ھاء**'' کے ساتھ نہیں آتی۔

خاء ''**ھاء**'' سے پہلے نہیں آتی۔

''**نون**'' **راء** سے پہلے نہیں آتا۔

''**لام**'' **شین** سے پہلے نہیں آتی۔

اسی طرح حروف کے امتزاج اور اجتماع میں بھی ایک خاص منطقی طریقہ اور بلند ذوق پایا جاتا ہے، مثلاً سین اور راء ایک ہی لفظ میں جمع ہو جائیں تو اس میں چھپانے کے معنی آتے ہیں، مثلاً **ستر** کے معنی چھپانا۔

سرّ کے معنی راز، راز اسی کو کہتے ہیں جس کو چھپایا جاتا ہے۔

سرا عنه کے معنی زائل کرنا، کسی چیز کو زائل کیا جاتا ہے تو وہ چھپ جاتی ہے۔

سکر بیہوشی اور نشہ کے لیے استعمال ہوتا ہے، نشہ کی وجہ سے انسان کی عقل چھپ جاتی ہے۔

سفر کے معنی اپنے شہر سے دوسرے شہر جانا، جب انسان سفر کرتا ہے تو وہ اپنے شہر سے چھپ جاتا ہے۔

سرق چوری کرنا، اس میں چھپنے کے معنی واضح ہے، انسان چھپ کر ہی چوری کرتا ہے۔

سمر: رات کے وقت دوستوں سے گفتگو کرنا، اس وقت وہ دوسروں کی نگاہوں سے چھپا رہتا ہے۔

سمر اللبن: دودھ میں پانی ملانا، انسان دودھ میں پانی ملاتے وقت دوسروں کی نگاہوں سے چھپا رہتا ہے۔

سمرت السمرة الشجرة: ریشم کے کیڑے نے درخت کے پتوں کو کھالیا، جب کیڑا کھاتا ہے تو وہ پتے اس کے پیٹ میں چھپ جاتے ہیں۔

اگر اس میں **فاء** کا اضافہ کیا جائے تو تشہیر کرنے اور واضح کرنے کے معنی پیدا ہوتے ہیں، مثلا **فسّر**

مخارج اپنی اصل حالت پر باقی ہیں

عربی الفاظ کی صوتی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ صدیاں اور نسلیں گزر جانے کے باوجود حروف کی آوازیں اور مخارج اپنی اصلی حالت پر باقی ہیں، اسی لیے جو حروف فصیح عربی میں ادا کیے جاتے ہیں اور قرآن مجید میں پڑھے جاتے ہیں، ان میں کم

ازکم چودہ صدیوں سے کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اسلام کے ظہور میں آنے سے پہلے عہدِ جاہلی سے ہی کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے، اس طرح کا ثبات اور استقرار دنیا کی کسی بھی زبان میں نہیں پایا جاتا ہے۔

اس کے لیے فن تجوید کی ایجاد

پہلی صدی سے لے کر آج تک قرآن کی تلاوت کرنے والے قراء نے الفاظ کے نطق پر مکمل اور باریک بینی کے ساتھ توجہ دی ہے، اسی طرح مخارج اور صفات کے ساتھ حروف کی ادائیگی اور حروف کو نکالنے کے اسلوب اور ان کو ادا کرنے کے طریقہ پر کامل دھیان دیا ہے، اس کے لیے مسلمانوں نے فن ''تجوید'' کے نام سے ایک الگ ہی فن ایجاد کیا ہے اور اس کو بطورِ فن پڑھانے کا عام رواج ہے، اسی وجہ سے تمام عرب علاقوں اور قبائل میں فصیح زبان میں حروف کی آوازیں ایک ہی ہیں، جب کہ ان کے عامی لہجوں اور بولیوں میں بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے اور ان کی عامی زبان میں حروف میں بہت زیادہ بگاڑ بھی آگیا ہے، لیکن فصیح زبان کے مخارج اور حروف کی ادائیگی مکمل طور پر محفوظ ہے۔

اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ کی کتاب زندہ جاوید ہے اور اس میں کسی حرف یا حرکت کی تبدیلی جائز بھی نہیں ہے اور ممکن بھی نہیں، کیوں کہ یہ رسول اللہ ﷺ پر نازل کردہ اللہ تعالی کی کتاب ہے جس کو ہر نمازی ہر دن پانچ اوقات میں اپنی نمازوں میں سراً اور جہراً، تنہا اور باجماعت تلاوت کرتا ہے۔

عربی میں حروف کے خاص اشارے

عربی زبان میں حروف کے بھی خاص اشارے پائے جاتے ہیں، اگرچہ کہ حروف سے کسی معنی پر قطعی دلالت نہیں ہوتی ہے، البتہ ایک رخ اور اشارہ ملتا ہے اور دل میں ایک ایسا ماحول پیدا ہوتا ہے جس سے دل معنی قبول کرنے کے لیے تیار ہوجاتا ہے۔

عہدِ قدیم میں بھی اور موجودہ عہد میں بھی بعض محققین نے اس پر تحقیق کی ہے اور

ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حروف اصلیہ میں دو حروف کے اشتراک سے ایک ہی معنی یا ان تمام الفاظ کے لیے کوئی عمومی اور ہمہ گیر معنی پائے جاتے ہیں، مثلاً **جمع۔ جمل** (اکھٹا کرنا)۔ **جـمـد** (جامد ہونا۔ جمنا)؛ ان تمام الفاظ میں جیم اور میم ہیں، ان سب میں جمع کرنے یا ہونے کے معنی پائے جاتے ہیں۔

پھر بعض محققین نے اس سے بھی آگے بڑھ کر الفاظ میں پائے جانے والے ایک ہی حرف پر تحقیق کی تو ان کو بہت سی ایسی مثالیں ملیں کہ ان الفاظ میں مشترک معنی پائے جاتے ہیں جن میں وہ حرف رہتا ہے، مثلاً ''**راء**'' جس لفظ میں ہوگا اس میں تکرار اور استمرار کے معنی پائے جاتے ہیں، مثلاً

فرّ: بھاگنا

قرّ: قرار پانا

ران: زنگ لگنا

ترکیبی لحاظ سے عربی الفاظ کی خصوصیات

اسی طرح ترکیبی اعتبار سے بھی عربی کے الفاظ عام طور پر ثلاثی یعنی تین حرفی ہوتے ہیں، بہت ہی کم الفاظ کی اصل چار حرفی یا پانچ حرفی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نطق میں طوالت اور دشواری نہ ہو۔

مستشرق رینان اپنی کتاب ''**تاریخ اللغات السامیة**'' میں عربی زبان کے امتیاز کی گواہی دیتے ہوئے کہتا ہے: ''یہ زبان اپنے خاندان کی دیگر زبانوں پر اپنے مفردات، معانی میں دقت اور حسنِ نظام کی وجہ سے فائق اور ممتاز ہے، یہ تدریجی مرحلے سے گزرے بغیر کامل شکل میں سامنے آئی ہے''۔

مفرد حروف کے بلند استعمالات

عربی زبان کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ عربی زبان کے مفرد حروف میں پختہ اور

بلند استعمالات ہیں، جس کی مثال دوسری زبانوں میں نہیں ملتی ہے:

مثلاً حرف باء کا استعمال مدد طلب کرنے کے لیے ہوتا ہے، مثلاً **کتبت بالقلم** ۔ میں نے قلم کے ذریعہ سے لکھا یعنی قلم کی مدد لے کر۔

لام کا استعمال اختصاص کے لیے ہوتا ہے مثلاً **هذه السيارة لی** ۔ یہ گاڑی میری ہے۔

تاء کا استعمال قسم کے لیے ہوتا ہے مثلاً **تالله**

اسی طرح ''واؤ'' کا استعمال بھی قسم کے لیے ہوتا ہے، مثلاً **والله**

عربی زبان کا ایک اہم صوتی امتیاز

عربی زبان کے صوتی امتیازات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایک ہی لفظ میں حروف کم ہوجاتے ہیں لیکن معانی میں کمی نہیں آتی ہے، جس سے اس زبان کے قوتِ بیان کی صلاحیت اور عظمت پر دلالت ہوتی ہے، مثلاً لفظ ''اللہ'' ہے......

''اللہ'' پر غور کیجیے اور اس کو اپنی زبان سے ادا کیجیے، دیکھیے کہ اس میں موجود تمام حروف منہ کے اندر سے نکلتے ہیں یا جب یہ لفظ بولا جاتا ہے تو چہرے اور ہونٹ پر کوئی بھی حرکت ہوتی ہے یا نہیں؟...... نہیں، بلکہ صرف زبان ہلتی ہے اور ہونٹ پر کوئی حرکت نہیں ہوتی، اسی وجہ سے جب کوئی ''اللہ'' کے نام کا ذکر کرتا ہے تو ساتھ بیٹھنے والے کو لفظ ''اللہ'' کے ذکر کا احساس بھی نہیں ہوتا ہے۔

لفظ ''اللہ'' کا یہ اعجاز ہے کہ جب بھی اس کے حروف میں کمی کی جاتی ہے تو نام ویسے ہی باقی رہتا ہے یا لفظ ''اللہ'' ہی پر دلالت کرتا ہے......

یہ بات معلوم ہی ہے کہ لفظ ''اللہ'' کے آخری حرف ''ہ'' پر ضمہ آتا ہے یعنی ''اللّٰهُ'' جب ہم اس کا پہلا حرف یعنی اُلف حذف کرتے ہیں تو ''**لله**'' بن جاتا ہے...... جیسا کہ فرمانِ الٰہی میں ہے: ''**ولله الأسماء الحسنى فادعوه بها**''۔

جب الف اور لام حذف کیا جاتا ہے تو ''**له**'' باقی رہتا ہے اور اس کا الٰہی مدلول باقی

رہتا ہے جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے: ''**له مافی السموات والأرض**''۔

شروع سے اگر الف، پہلا اور دوسرا لام حذف کردیے جائیں تو صرف ضمہ کے ساتھ ''**ه**'' باقی رہ جاتا ہے، اس کے باوجود اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف اشارہ باقی رہتا ہے، جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے: ''**هو الذی لا إله إلا هو**''۔

اگر صرف پہلے لام کو محذوف کردیا جائے تو ''**إلـه**'' باقی رہتا ہے جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: ''**الله لا إله إلا هو**''۔

عربی الفاظ کی خصوصیات (اشتقاق کی خصوصیات)

عربی زبان میں الفاظ کے مجموعے اور گروپ پائے جاتے ہیں، ہر گروپ اپنے مفردات میں تین حروف میں شریک رہتا ہے، یعنی لفظ کا مادہ یا اس کی اصل۔ یہ سب عمومی معنی میں شریک رہتے ہیں، پھر مجموعہ میں سے ہر لفظ کے ایک مخصوص معنی پائے جاتے ہیں، کبھی یہ مخصوص معنی اپنے اصل عمومی معنی سے بہت دور نکل جاتا ہے، لیکن جتنی بھی زیادہ دوری ہوجائے لیکن اس میں اپنے اصلی حروف اور مادہ کی چھاپ ضرور رہتی ہے، یہ صرف بصرف عربی زبان کا امتیاز ہے، کسی بھی دوسری زبان میں یہ امتیاز نہیں پایا جاتا ہے، کیوں کہ دوسری زبانوں میں الفاظ پر اتنی زیادہ تبدیلی آجاتی ہے کہ اس کی اصل ہی مٹ جاتی ہے اور اس کے نشانات مکمل طور پر چھپ جاتے ہیں، مثلاً ہم ''**حـــــدق**'' کے مادہ کو دیکھیں تو اس سے ''أحدق (گھیرنا)۔ حدیقة (باغ جو چہار دیواری سے گھرا رہتا ہے)۔ **حدقة العين**'' (آنکھ کی سیاہی) وغیرہ الفاظ مشتق ہوتے ہیں، ان سب میں گھیراؤ کے معنی پائے جاتے ہیں۔

حوی کے مادہ میں سمیٹنے اور مشتمل ہونے کے معنی پائے جاتے ہیں۔

حــوی کے معنی مالک ہونے، قبضہ کرنے، سمیٹنے اور شامل ہونے کے ہیں۔ جو کسی چیز کو سمیٹ لیتا ہے تو وہ اس کا مالک ہوجاتا ہے اور اس کو اپنے قبضہ میں کرلیتا ہے۔

مـحـتـويـات المجلة والكتاب: کتاب اور مجلّہ میں شامل چیزوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یعنی کتاب یا میگزین میں موجود مضامین۔

حلوی: سپیرے یا مداری کو کہتے ہیں جو سانپ یا بندر کو اپنے قبضہ میں لیتا ہے۔

حوایا: آنتوں کو کہتے ہیں جو پیٹ میں سمٹی ہوئی ہوتی ہیں۔

محواۃ: اس سرزمین کو کہتے ہیں جو سانپوں پر مشتمل ہو یعنی جہاں سانپ کی کثرت ہو۔

اشتقاق زبان کے زندہ ہونے کی علامت ہے

ایک لفظ سے دوسرے لفظ کے پیدا ہونے یا مشتق ہونے سے زبان زندہ رہتی ہے، اس کے اجزاء میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور ایک دوسرے کے درمیان طاقت ور اور واضح روابط پائے جاتے ہیں، یہ اشتقاق کی خصوصیت دوسری زبانوں میں پائی تو جاتی ہے، لیکن بہت ہی محدود پیمانے پر۔

اشتقاق نئے معانی پر دلالت کرنے والے الفاظ کو پیدا کرنے کا عمدہ ذریعہ اور وسیلہ ہے، قدیم مادہ سے معانی کو دیکھ کر نیا لفظ تیار کیا جا سکتا ہے، مثلاً ایک لفظ ''**نظر**'' ہے جس کے معنی دیکھنے کے آتے ہیں، موجودہ عہد کی نئی ایجادات میں عینک اور دوربین ہے، ان دونوں کے لیے اسی مادہ سے الفاظ مشتق کیے گئے ہیں، عینک کے لیے ''**نظارۃ**'' اور دوربین کے لیے ''**منظار**''۔

اشتقاق الفاظ کی تجدید اور فنی تنوع کے لیے ایک راہ ہے، جیسا کہ قرآن نے قیامت کے لیے ''**واقعۃ، غاشیۃ، طامۃ، قارعۃ**'' وغیرہ الفاظ، الفاظ کی تجدید کاری اور معانی کو نیا لباس پہنانے کے لیے استعمال کیے ہیں۔

شکل وہیئت میں عربی زبان کی خصوصیات:

کسی صیغہ یا نحوی قرینہ وعلامت کو نفسیاتی محرکات پر دلالت کرنے کے لیے مخصوص کرنا عربی زبان کی خصوصیات میں سے ہے، مثلاً ''مفعول لہٗ'' عربی زبان میں نفسیاتی محرکات وعوامل کی تعبیر کے لیے ہے، مثلاً کہا جاتا ہے:

فعلت ھذا رغبۃ: میں نے یہ کام رغبت کے ساتھ کیا۔

فررت رهبة :ڈر کی وجہ سے میں بھاگ گیا۔

ضممته حبا: محبت سے میں نے اس کو چمٹالیا۔

قتل زید عمرا انتقاما: زید نے عمر و کو انتقاماً قتل کیا۔

شکل و ہیئت اور اسٹرکچر کی خصوصیات

الفاظ کے صیغے کو ہم اس انداز سے دیکھ سکتے ہیں کہ یہ مخصوص ہیئت وشکل میں مرکب اوزان ہیں، جن کے وزن پر لفظ کے اصلی اور زائد حروف موزون ہوجاتے ہیں، ہم ان کو ایک دوسرے ناحیے سے بھی دیکھ سکتے ہیں کہ یہ موسیقی کے مخصوص اوزان ہیں، مثلاً فاعل کے وزن پر آنے والے تمام الفاظ موسیقی کا ایک وزن ہے، اسی طرح مفعول، فعیل یا اُفعل وغیرہ کے اوزان ہیں، جو الفاظ ایک ہی وزن کے ہیں ان کو موسیقی اور غنائیت کا رابطہ ایک جگہ جمع کرتا ہے اور ان کو دوسرے الفاظ سے جملہ میں ممتاز کرتا ہے، ایک ہی وزن پر آنے والے الفاظ کے درمیان یہ مشترکہ نغمہ اور غنائیت وموسیقی ہے، جس سے ان کے درمیان پائے جانے والے مشترکہ معانی کو اخذ کرنے میں مدد ملتی ہے اور آسانی ہوتی ہے، طالب علم کو معنی کے ایک جزء سے واقف ہونے میں اس سے تعاون ملتا ہے، مثلاً طالب علم فاعل کا وزن سنے گا تو جان جائے گا کہ اس سے کام کرنے والے پر دلالت ہوتی ہے۔

الفاظ کے اوزان موسیقی کی یونٹس ہیں، یہ قاعدہ اور اصول عربی زبان کے سبھی الفاظ میں پایا جاتا ہے، جب کلام کو مرکب کیا جاتا ہے تو وہ موسیقی اور غنائیت کی یونٹس یا تراکیب کا مجموعہ بن جاتا ہے، جب ان کو اچھے انداز میں مرکب بنایا جاتا ہے اور مرتب کیا جاتا ہے تو اپنے معنی کی ادائیگی کے ساتھ موسیقی کا ایک فنی قطعہ اور ٹکڑا بن جاتا ہے، جس کی وجہ سے حسن اور سماعت کی راہ سے جلد معانی دل میں اتر جاتے ہیں، یہی عربی زبان کی موسیقیت اور اس کے نغمات کی حلاوت ومٹھاس کا راز ہے۔

معنوی اوزان

عربی زبان کے الفاظ میں پائی جانے والی موسیقی اور غنائیت کی ان خصوصیات کی نظیر دوسری مشہور زبانوں میں نہیں ہے، کیوں کہ دوسری زبانوں میں اسم فاعل، اسم مفعول پر دلالت کرنے والے الفاظ کے لیے مشترک موسیقی پر مشتمل اوزان نہیں پائے جاتے ہیں۔

عربی زبان میں بہت سے معنوی اوزان یا صیغے ہیں جن میں دیگر زبانیں عربی کے ساتھ کچھ بھی مقابلہ نہیں کرسکتی ہیں۔ مثلاً اسم تفصیل، اسمائے زمان ومکان، اسم آلہ وغیرہ کے اوزان ہیں، دیگر زبانوں میں ان ہی کی تعبیر کے لیے یا تو مکمل جملوں کا استعمال کیا جاتا ہے یا ایک سے زائد الفاظ پر مشتمل تعبیرات کا، جب کہ یہی بات عربی زبان میں ایک ہی لفظ سے ادا ہو جاتی ہے۔

عربی زبان میں اسماء اور افعال کے مخصوص اوزان ہیں، اسی طرح مفرد، جمع، جمع سالم، جمع مکسر، جمع منتہی الجموع، تثنیہ، مذکر ومونث کے الگ الگ اوزان ہیں، یہ زبان کی ترقی اور مافی الضمیر کو ادا کرنے میں پائی جانے والی عمدگی وباریکی کی دلیل ہے۔

جس زبان میں اسماء وصفات اور افعال کے درمیان امتیاز کرنے کے اصول نہ ہوں تو وہ بہت زیادہ التباس کا شکار ہو جاتی ہے، خصوصاً جب اس میں اعراب نہ ہو، عربی زبان میں قدیم زمانہ سے ہی افعال اور اسماء میں اوزان اور صیغوں کے ذریعہ امتیاز پایا جاتا ہے۔

امرؤ القیس کے زمانے سے عربی زبان کے اوزان اور صیغے اپنی ایک ہی شکل میں ہیں، ان میں کوئی بھی تبدیلی نہیں ہوئی ہے، ہر مادہ اور اصل سے جب کوئی لفظ ''فاعل'' کے وزن پر آئے گا تو اس کے معنی کام کرنے والے کے ہوں گے، اگر مفعول کے وزن پر آئے تو اس شخص پر دلالت ہوتی ہے جس پر فعل واقع ہوا ہو۔ اسی طرح دوسرے اوزان کا بھی معاملہ ہے، فنِ صرف پڑھتے وقت ان امور پر توجہ دے کر پڑھنا چاہیے۔

عربی الفاظ کی معنوی خصوصیات

(الفاظ کو وضع کرنے اور مسمیات کو نام دینے میں عربوں کا طریقہ)

کسی معنی کے لیے جب کوئی لفظ وضع کیا جاتا ہے تو نام رکھی جانے والی چیز کی صفات میں

سے کسی صفت، اس کے اجزاء میں سے کسی جزء یا اس کے پہلوؤں میں سے کسی پہلو کا انتخاب کیا جاتا ہے یا اس کے کسی کام کو متعین کیا جاتا ہے، مثلاً عربوں نے مندرجہ ذیل الفاظ وضع کیے ہیں:

ہموار زمین کے لیے ''**سهل**'':

یہ لفظ ''**سهولة**'' سے ہے جس کے معنی آسانی کے ہیں، ہموار زمین میں اوبڑ کھابڑ زمین کے مقابلے میں بہت سی آسانیاں رہتی ہیں، اس وجہ سے اس کو ''**سهل**'' کہا گیا۔

آسمان کے لیے ''**سماء**'':

یہ لفظ ''**سمو**'' سے ہے جس کے معنی بلندی کے ہیں، آسمان چونکہ بلندی پر رہتا ہے، اس وجہ سے آسمان کے لیے ''**سماء**'' کا لفظ بنایا گیا۔

دل کے لیے ''**قلب**'':

یہ لفظ ''**تقلب**'' سے ہے جس کے معنی الٹنے پلٹنے کے ہے، چوں کہ دل الٹتا پلٹتا رہتا ہے، اس وجہ سے دل کے لیے عربوں نے ''**قلب**'' کا لفظ وضع کیا۔

گھر کے لیے ''**بيت**'':

یہ لفظ ''**بات**'' سے ہے، جس کے معنی رات گزارنے کے ہیں، آدمی پورا دن گھر سے باہر کاموں میں مشغول رہ کر رات گزارنے کے لیے گھر آتا ہے، اسی وجہ سے عربوں نے گھر کے لیے لفظ ''**بيت**'' وضع کیا۔

اس طرح کی توجیہ آپ لوگوں کو عربی کے ہر لفظ میں ملے گی، اسی بنیاد پر عربی زبان ان الفاظ کے اصل معانی کو محفوظ رکھتی ہے جو نئے مسمیات کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں، نئی اصطلاحات سے چند مثالیں پیش ہیں:

هاتف: غیبی آواز کو کہتے ہیں یعنی ایسی آواز جس کا بولنے والا نظر نہ آئے، یہیں سے ایک نئی ایجاد فون کے لیے یہ لفظ وضع کیا گیا ہے۔

مجهار اسمِ آلہ ہے جس کے معنی آواز بلند کرنے کے آلہ کے ہیں، یہیں سے ایک نئی ایجاد اسپیکر کے لیے اس لفظ کا استعمال کیا جاتا ہے۔

جــال یــجــول کے معنی گھومنے اور چکر لگانے کے ہیں، اسی سے مبالغہ کا صیغہ ''**جـوال**'' ہے جس کے معنی بہت زیادہ گھومنے والے شخص یا چیز کے ہیں، یہیں سے ایک نئی ایجاد موبائیل کے لیے اس لفظ کا استعمال کیا جانے لگا۔

غسل کے معنی دھونے کے ہیں، اس سے مبالغہ کا صیغہ ''**غسال**'' آتا ہے جس کے معنی بہت زیادہ دھونے والے کے ہیں، یہیں سے ایک نئی ایجاد واشنگ مشین کے لیے اس لفظ کو وضع کیا گیا ہے، کیوں کہ واشنگ مشین سے دھونے کا کام بڑی تیزی سے ہوتا ہے۔

کوی یکوی کے معنی داغنے کے ہیں، اس سے اسمِ آلہ **مکواۃ** ہے جس کے معنی داغنے کا آلہ ہے، چونکہ کپڑوں کو استری سے داغا جاتا ہے، اس لیے **مکواۃ** کا لفظ استری کے لیے وضع کیا گیا ہے۔

اسی وجہ سے نام رکھنے کی علت اور وجہ عام طور پر واضح رہتی ہے، کبھی پوشیدہ بھی رہتی ہے تو تھوڑے سے غور وخوض کے بعد معلوم ہو جاتی ہے۔

یہ بات دوسری زبانوں مثلاً انگریزی اور فرنچ وغیرہ میں نہیں ہے، کیوں کہ نام رکھنے کے طریقہ اور صفت اختیار کرنے میں اختلاف ہے، دوسری زبانوں میں الفاظ پر دلالت کرنے والے اصل معنی کی حفاظت بہت کم رہتی ہے۔

نام رکھنے یا کسی مسمی کے نام کے طور پر کسی لفظ کو منتخب کرنے میں عربی زبان دوسری زبانوں سے مختلف ہے، عرب نام رکھتے وقت مسمیٰ کی صفات میں سے سب سے مخصوص یا نمایاں صفت یا اس کے بنیادی عمل اور ڈیوٹی کو دیکھتے ہیں، جب کہ دوسری زبانوں میں اس کی ظاہری شکل وصورت اور ہیئت یا ترکیب واجزاء کو دیکھا جاتا ہے، مثلاً فرنچ اور انگریزی میں سواری کرنے کے آلہ کے لیے بایسائیکل یعنی دو پہیوں والا کہا جاتا ہے، جب کہ عربی میں اس کے لیے ''**دراجہ**'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے، فرنچ میں اس کے اجزاء، ترکیب اور ساکن حالت کو دیکھا گیا ہے، جب کہ عربی میں اس کے عمل، حرکت اور کام کو دیکھا گیا ہے۔ درج کے معنی سیڑھیوں پر چڑھنے اور اپنے راستے پر چلنے کے ہیں۔

چیزوں کے نام رکھنے میں عربوں کے طریقہ کی وضاحت اسلام کی طرف سے وضع کردہ اصطلاحات سے ہوتی ہے، کیوں کہ اصل الفاظ کے معانی اوراس کے مدلولات کے درمیان واضح رابطہ پایا جاتا ہے،اس کی مثالیں **صلاة، جهاد، صوم، حج، نافلة، فرض، كبيرة، صغيرة** وغیرہ ہیں۔

شمولیت اور عمومیت کی خصوصیت

عربی زبان میں ہمہ گیر، شامل اور منطقی دقیق ترتیب پائی جاتی ہے،اس سے عربوں کا فکری معیار معلوم ہوتا ہے،اور یہ بڑی تعجب خیز بات بھی ہے، ایسا معیار جس معیار تک بہت ہی کم قومیں اپنی تاریخ کے ابتدائی دور میں پہنچی ہیں؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں عربی زبان میں ایسے الفاظ ملتے ہیں جو حسی چیزوں پر دلالت کرتے ہیں، حسی چیزوں پر دلالت کرنے میں عربی زبان میں بے شمار الفاظ ہیں،عربی زبان نے حسیات میں ''**ذرة**'' (ریت یا مٹی وغیرہ کا ذرہ جو بہت ہی چھوٹا رہتا ہے) اور''**هباء**'' (مٹی کے باریک ذرات جو ہوا سے اڑ کر چیزوں کو لگ جاتے ہیں، یا ہوا میں پھیلے ہوئے باریک ذرات جو صرف سورج کی روشنی میں اڑتے نظر آتے ہیں) سے لے کر''**أفلاک** (فلک)، **سماء** (آسمان)، **كواكب** (ستارے)'' تک پر توجہ دی ہے۔

عربی زبان میں انسانی جذبات واحساسات مثلاً خوشی،غم اور غصہ وغیرہ کی تمام قسموں کی تعبیر کے لیے الفاظ کا مکمل اور وسیع ذخیرہ موجود ہے......

خوشی کے لیے مندرجہ ذیل الفاظ استعمال ہوتے ہیں: ''**الفرح، المرح، الجذل، الابتهاج، الاستبشار**''۔

خوشی کا سب سے پہلا مرتبہ''**الجذل، و الابتهاج**'' ہے، پھر خوشی میں اضافہ ہوجائے تو''**الاستبشار**'' ہے،''**الفرح**'' وہ خوشی جو حق کی بنیاد پر بھی ہوسکتی ہے اور باطل کی بنیاد پر بھی،''**المرح**'' وہ خوشی جو باطل کی وجہ سے ہی ہوتی ہے۔''**المرح**'' بہت زیادہ خوشی کو کہتے ہیں۔

اسی طرح کلی نظریات اور مجرد معانی پر دلالت کرنے والے الفاظ بھی پائے جاتے ہیں،مثلاًوجود، **عدم**، **حدوث**، **قدیم**، **روح**، **نفس**، **حیاۃ**، **موت**، **فناء**، **جمال** ......وغیرہ (یہ تمام الفاظ اردو میں بھی ان ہی معانی میں استعمال ہوتے ہیں جو عربی زبان سے ہی ماخوذ ہیں)

دقتِ تعبیر کی خصوصیات

چیزوں اور موجودات کی باریک اور دقیق منظر کشی، اس کی قسموں وحالات کے درمیان امتیاز اور جذبات واحساسات کے مختلف درجات اور اقسام کی تعبیر میں زبانوں میں کمی بیشی اور تفاوت پایا جاتا ہے، عربی زبان کا یہ امتیاز ہے کہ وہ ان تمام امور کی دقیق تعبیر کرتی ہے اور اس میں متضاد اقسام، مختلف قسم کے افراد اور مختلف حالات کے درمیان امتیاز اور تمیز کرنے کی صلاحیت اور قدرت ہے، حسی اور معنوی امور میں بھی عربی زبان کا یہی حال ہے:

مثلاً لفظ ''**مشی**'' چلنے کے لیے عام ہے، جب کہ
چھوٹے بچے کے چلنے کے لیے ''**درج**'' کا لفظ ہے۔
دودھ پیتے بچے کے چلنے کے لیے ''**حبا**'' کا لفظ ہے۔
ایک پاؤں کھڑا کر کے دوسرے پاؤں پر بچے کے چلنے کے لیے ''**حجل**'' کا لفظ ہے۔
چستی ونشاط اور مٹکتے ہوئے نوجوان کے چلنے کے لیے ''**خطر**'' کا لفظ ہے۔
قریب قریب قدم ڈال کر آہستہ آہستہ چلنے کے لیے ''**دلف**'' کا لفظ ہے جو عام طور پر بوڑھوں کی چال ہے۔

ان الفاظ کے علاوہ چلنے کے لیے مندرجہ ذیل الفاظ کا بھی استعمال ہوتا ہے:

ھدج: کمزوری کی وجہ سے آہستہ آہستہ چلنا۔

رسف: قیدی کا بیڑیوں کے ساتھ چلنا۔

اختال: اترا کر چلنا۔

تبختر: مٹک مٹک کر چلنا۔

تخلج: کانپتے ہوئے چلنا۔

اھطع: ڈر کی وجہ سے تیز رفتاری کے ساتھ چلنا۔

ھرول: عام چال اور دوڑنے کے درمیان کی چال چلنا۔

تھاوی: زور سے چلنا۔

تأود: ٹیڑھا ہو کر چلنا۔

عربی میں محبت کے لیے بہت سے الفاظ استعمال ہوتے ہیں:

مثلاً **حب – عشق – شوق – لوعة – علاقة – شعف – شغف – لاعج – کلف – ھیام** .... ان سب کے معانی الگ الگ ہیں:

شیخ عزالدین بن جماعہ نے کہا ہے: ''**حب**'' آدمی کو نہیں مارتا ہے، ''**عشق**'' اور ''شوق'' آدمی کو عام طور پر مار ڈالتے ہیں، ''**علاقة**'' دل سے چپکی ہوئی محبت ہے، ''**عشق**'' میں ملاقات سے سکون ملتا ہے، لیکن ''**شوق**'' میں ملاقات سے اضافہ ہوتا ہے، ''**عشق**'' اس مقدار سے بڑھی ہوئی ہے جس کو ''**حب**'' کہا جاتا ہے، ''**شعف**'' دل کی جلن ہے جس میں لذت ملتی ہے، ''**شغف**'' جب محبت دل کو مشغول کر دے، ''**لاعج**'' جلا ڈالنے والا عشق، ''**لوعة**'' عشق کی جلن، ''**کلف**'' شدتِ محبت جس کی اصل **کلفة** ہے جس کے معنی مشقت کے ہیں۔ یعنی وہ مشقت سے دوچار ہوتا ہے۔

کنویں کے لیے عربی زبان میں مندرجہ ذیل الفاظ استعمال ہوتے ہیں:

بِئْرُ، رَكِيَّةٌ، جُبٌّ، ظَنُوْنُ، طَوِيٌّ، عَيْلَمُ، قَلْزَمُ، رَسٌّ، قَلِيْبُ

رَكِيَّةٌ اسی کنویں کو کہیں گے جس میں پانی ہو چاہے کم ہو یا زیادہ، ورنہ اس کے لیے **بِئْرُ** کا لفظ استعمال ہوتا ہے، **جُبٌّ** اس کنویں کو کہتے ہیں جس کو پتھر وغیرہ سے گھیرا نہ گیا ہو جس کو ''اندھا کنواں'' کہا جاتا ہے، **ظَنُوْنُ** اس کنویں کو کہتے ہیں جس بارے میں معلوم نہ ہو کہ اس میں پانی ہے یا نہیں، **طَوِيّ** اس کنویں کو کہا جاتا ہے جو پتھروں سے گھرا ہوا ہو، **عَيْلَمُ** وہ کنواں جس میں زیادہ پانی ہو، **قَلْزَمُ** بھی زیادہ پانی والے کنویں کو کہتے

ہیں، **رَسٌّ** بڑے کنویں کو کہا جاتا ہے، **قَلِیْبُ** اس کنویں کے لیے استعمال ہوتا ہے جس کے نہ مالک کا پتہ ہو اور نہ اس کے کھودنے والے کا۔

عربوں نے جس طرح مخصوص معانی کے لیے الفاظ کو مخصوص کیا ہے اسی طرح بعض الفاظ کو دوسرے الفاظ کے ساتھ مخصوص کیا ہے اور بعض کلمات کو دوسرے کلمات کے ساتھ ملایا ہے جو ان ہی کے ساتھ مل کر استعمال ہوتے ہیں، ان کو دوسرے الفاظ کے ساتھ ملا کر استعمال نہیں کرتے ہیں مثلاً تیز وتند اور سخت ہوا کے لیے ''**ریح عاصف**'' کہتے ہیں۔

سخت ٹھنڈی کے لیے ''**برد قارس**'' کہتے ہیں۔

سخت گرمی کے لیے ''**حر لافح**'' کہتے ہیں۔

برد کے ساتھ لافح کا استعمال نہیں کرتے اور حر کے ساتھ عاصف کا استعمال نہیں کرتے۔

عربی کی ترکیبوں میں یہ تخصیص صفت، اضافت اور اسناد میں ایک قسم کی دقتِ تعبیر ہے، کیوں کہ بعض معانی اور حالات کے لیے یہ مخصوص الفاظ سامع کے سامنے ایک مخصوص تصویر لے آتے ہیں جو الفاظ کے ایک دوسرے سے ملنے اور لازم ملزوم ہونے کے اسلوب میں ان ہی الفاظ میں پائے جاتے ہیں اور متکلم ان ہی معانی کو اپنے مخاطب میں منتقل کرنا چاہتا ہے تاکہ مکمل تصویر اور دقیق تعبیر سامنے آئے اور وہ منقولہ تصویر کو ایک ہی دائرے میں محصور کر سکے۔

اسی طرح آوازوں میں تفریق کرنے کے لیے عربی زبان میں الگ الگ الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں:

ضغیب	:	خرگوش کی آواز
خوار	:	بیل اور گائے کی آواز
زئیر	:	شیر کی آواز
صھیل	:	گھوڑے کی آواز
شحیج	:	خچر کی آواز
ضباح	:	لومڑی کی آواز

قهقاع	:	ریچھ کی آواز
عواء	:	بھیڑئے کی آواز
حنين	:	اونٹنی کی آواز
رغاء/هدير	:	اونٹ کی آواز
نهيق	:	گدھے کی آواز
مأمأة	:	بھیڑ کی آواز
ثغاء	:	بکری کی آواز
نهيم	:	ہاتھی کی آواز
ضَحِک	:	بندر کی آواز
مواء	:	بلی کی آواز
نباح	:	کتے کی آواز
قباع	:	خنزیر کی آواز
نعيق/نعيب	:	کوے کی آواز
صفير	:	گدھ کی آواز
تغريد/شدو	:	بلبل کی آواز
نعيق	:	الّو کی آواز
نقنقة	:	مرغی کی آواز
صياح/صقاع	:	مرغ کی آواز
عرير	:	جھنگور کی آواز
طنين	:	مچھر کی آواز
أزيز	:	مکھی کی آواز
دوي/طنين	:	شہد کی مکھی کی آواز

خترشة	:	ٹڈی کی آواز
نقیق	:	مینڈک کی آواز
صریر	:	چوہے کی آواز
فحیح	:	اژدہے/سانپ کی آواز
نشنشة	:	نئے کپڑے کی آواز
صریر	:	دروازے کی آواز
خریر	:	پانی کی آواز
هزیز	:	ہوا کی آواز
رنین	:	فون یا گھنٹی کی آواز

ان کے علاوہ مختلف جانوروں، پرندوں، کیڑے مکوڑوں اور دیگر چیزوں کی آوازوں کے لیے عربی زبان میں الگ الگ الفاظ ہیں۔ جس سے عربی زبان کی وسعت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

عربی زبان کے لیے چیلنجز

ا۔ تعلیمی میدان میں بھی عامی عربی کا رواج

ڈاکٹر عبدالصبور شاہین اپنے مضمون ''التحدیات التی تواجھا اللغة العربیة'' میں تحریر کرتے ہیں:

''فصیح عربی زبان عربوں کے عام استعمال میں نہیں ہے، بلکہ اس کی جگہ عامی لہجوں کا رواج ہے، اور عربوں کی زبان پر یہی عامی زبان رائج ہے، جس کے نتیجہ میں بہت سے عامی لہجات اور بولیاں وجود میں آئی ہیں، (جن کی تفصیلات اس کتاب کے شروع میں بیان کی گئی ہیں) اس سے بھی خطرناک بات یہ ہے کہ یونیورسٹیوں کے پروفیسران اور اساتذہ بھی دورانِ تدریس فصیح زبان کے بجائے عامی لہجہ استعمال کرتے ہیں اور اپنے محاضرات میں بھی اسی کو ترجیح دیتے ہیں، البتہ بہت سے ایسے افراد بھی ہیں جو فصیح عربی سے محبت رکھتے ہیں اور اسی کو استعمال بھی کرتے ہیں، لیکن اکثر عامی لہجہ ہی استعمال کرتے ہیں، اس سے بھی بڑھ کر نحو کا مضمون پڑھانے والے اساتذہ بھی طلبہ کو قواعد عامی زبان میں پڑھاتے ہیں اور دیگر عربی علوم بھی عامی لہجہ میں ہی پڑھاتے ہیں۔ جب یہ حال عربی ادب کے کالجس میں ہے تو دوسرے علوم وفنون کے کالجس میں اور برا حال ہے''۔

۳۔ فصیح کے بجائے عامی کو رواج دینے کی کوششیں

پورے عرب بلکہ تمام مسلمانوں کے رابطہ کی زبان فصیح قرآنی عربی ہے، دشمنان اسلام کو یہ حقیقت معلوم ہے، اس وجہ سے دشمنوں کی طرف سے فصیح عربی کو ختم کرکے عامی

عربی لہجوں کو رواج دینے کی بڑی کوششیں کی گئیں تاکہ مسلمانوں کو فصیح عربی سے کاٹ دیا جائے اوران کا آپس میں رابطہ منقطع ہوجائے،جس کا نتیجہ یہ سامنے آئے گا کہ مسلمانوں کا اتحاد بھی ٹوٹ کر بکھر جائے گا،آج کے حالات اور ڈاکٹرعبدالصبور کے مذکورہ تجزیہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ دشمن اس میں کامیاب نظر آتے ہیں۔عربی زبان کے اتنے زیادہ لہجے ہوگئے ہیں کہ ایک علاقہ کا آدمی دوسرے علاقہ کے لہجہ اور بولی کو سمجھ نہیں پاتا ہے۔

ڈاکٹرعبدالصبورشاہین نے اپنے مضمون میں یہ مشورہ دیا ہے کہ عربی زبان کے وقار کو باقی رکھنے کے لیے سیاسی قرارداد کی ضرورت ہے جو سبھی عرب حکومتوں کی طرف سے صادر ہو، کیوں کہ یہ زبان ہرعرب ملک کے دستور میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔

۲۔عربی کولاطینی رسم الخط میں لکھنے کی کوششیں

عربی زبان کے رسم الخط کو بھی تبدیل کرنے کی اس وقت کوششیں کی گئیں جب انگریزوں اورفرنگیوں کا عرب ممالک پر قبضہ تھا اور وہاں ان کی حکومت قائم تھی،سب سے پہلے انھوں نے اپنی زبانوں کو رواج دیا اوراپنے اسکولوں میں اپنی زبان میں ہی تعلیم دی، اورعرب عوام کو عربی زبان سے دورکرنے کی انتھک کوششیں کی،لیکن کسی قوم کواس کی زبان سے کاٹنا اتنا آسان نہیں رہتا ہے،اس وجہ سے وہ اس میں کامیاب نہیں ہوئے،اس لیے عربی زبان سے کاٹنے کے لیے دوسری سازش یہ کی کہ عربی رسم الخط کوتبدیل کرکے اس کی جگہ رومن رسم الخط کو یہ دلیل دے کر رواج دینے کی کوشش کی کہ اس کے بغیر عربوں کی ترقی ممکن نہیں، کیوں کہ اس کے بعد عرب اپنی زبان سے دور ہوجائیں گے اور رسم الخط کے تبدیل ہونے سے زبان بھی تبدیل ہوجائے گی اوران کا عربی زبان سے رابطہ برائے نام باقی رہے گا،جیسا حال ترکی میں ہوا۔

لیکن ہمارے علماء اور ادیبوں کے مقابلہ کی وجہ سے وہ اس میں بھی کامیاب نہیں ہوئے، ادباء نے نئی اصطلاحات اور نئے حالات کے لیے ان کے مناسب الفاظ کو وضع کرنے کے لیے اکیڈمیاں قائم کی اور ہر نئے وجود میں آنے والے لفظ کا

متبادل عربی لفظ بڑی کوششوں سے تلاش کیا اور ان نئے وضع کردہ الفاظ کو رواج دینے کی کوشش کی۔

۴۔قرآنی اسلوب کے بجائے اخباری اسلوب کی ترویج

''عربی زبان بالخصوص قرآن کی زبان کے معاملہ میں ایک مشکل یہ بھی ہے کہ اس وقت یہ زبان کہیں بھی رائج نہیں ہے جس میں قرآن نازل ہوا ہے، عرب اور عجم دونوں ہی میں اس وقت جو عربی پڑھائی اور لکھی بولی جاتی ہے وہ اپنے اسلوب و انداز، اپنے لب ولہجہ اور اپنے الفاظ ومحاورات میں اس زبان سے بہت مختلف ہے جس میں قرآن ہے۔ ہمارے اپنے عربی مدرسوں میں جو عربی پڑھی پڑھائی جاتی ہے، وہ قلیوبی، نفحۃ الیمن یا زیادہ سے زیادہ حریری و متنبّی کی قسم کی عربی ہے۔ عرب، شام اور مصر میں جو عربی رائج ومقبول ہے اس کا اندازہ ان ممالک کے رسائل واخبارات سے کیا جاسکتا ہے۔ یہ زبان عربی ضرور ہے، لیکن قرآن کی زبان سے یہ اتنی مختلف ہے کہ اس کا ذوق نہ صرف یہ کہ قرآن کی زبان کا کوئی ذوق نہیں پیدا کرتا بلکہ قرآن سے بیگانہ کرتا ہے''۔ (تدبر قرآن۔ جلد اول۔ مقدمہ)

آخری بات

عربی زبان میں مہارت پیدا کرنے کے وسائل:

ماہرین نے دوسرے علوم کے مقابلہ میں زبان سیکھنے کو سب سے زیادہ آسان قرار دیا ہے، چاہے وہ کوئی بھی زبان ہو، زبان سیکھنے میں لطف اندوزی بھی ہے اور ایک چیلنج بھی، اسی وجہ سے سب سے پہلی ذمے داری یہ ہے کہ زبان سیکھنے کا اپنے اندر جذبہ پیدا کیا جائے اور بھروسہ اور یقین رکھا جائے کہ میں یہ زبان سیکھ سکتا ہوں، اس صورت میں زبان سیکھنا اور زیادہ آسان ہو جاتا ہے، کیوں کہ ارادہ سے آدھی مشکل حل ہو جاتی ہے اور اس کے بعد صرف آدھا کام باقی رہتا ہے۔

عربی زبان کے سیکھنے کے لیے چند مشورے پیش ہیں جن میں وسائل بھی بیان ہوئے ہیں:

۱۔عربی زبان سیکھنے میں نیت خالص رکھی جائے اور اس کا اعتقاد رکھا جائے کہ یہ قرآن کی زبان ہے جو سب سے عظیم اور باعزت زبان ہے۔

۲۔کوشش کرتے رہنا چاہیے، مایوس نہ ہونا چاہیے کہ میں کوششوں کے باوجود عربی زبان میں مہارت حاصل نہیں کر پا رہا ہوں، کیوں کہ ایک ہزار کلو میٹر کا سفر ایک ایک میٹر کر کے طے ہوتا ہے، اسی لیے جب آپ زبان سیکھنے کے وسائل اختیار کریں گے تو آپ کی عربی زبان میں کچھ نہ کچھ اضافہ ہوتا رہے گا اور اسی جدوجہد کو باقی اور جاری رکھیں گے تو کچھ دنوں کے بعد عربی زبان میں مہارت حاصل ہو جائے گی۔

۳۔بچپن میں حاصل کیا جانے والا علم پتھر کی لکیر بن جاتا ہے، اسی لیے کوئی بھی زبان سیکھنے کے لیے بچپن کی عمر سب سے بہترین ہے، طلباء کو اسی عمر میں عربی سیکھنے کے لیے زیادہ سے زیادہ کوشش کرنی چاہیے، اس عمر میں عربی زبان میں مہارت حاصل کرنے کی کوشش کی

جائے گی تو اس میں پختگی زیادہ رہے گی۔

۴۔عربی زبان بولنے والوں کے ساتھ رہنے اور ان کے ساتھ زیادہ سے زیادہ گفتگو کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، اسی لیے اپنی فراغت کے بعد کسی عرب ملک میں تعلیم حاصل کرنے کا ابھی سے منصوبہ کرنا چاہیے۔

۵۔عربی زبان میں نشر ہونے والے سمعی (ریڈیو) اور مرئی (ویڈیو) پروگراموں کو سننا اور دیکھنا چاہیے، خصوصاً بچوں کے لیے جو پروگرام نشر ہوتے ہیں ان کو پابندی سے سننے اور دیکھنے کی کوشش کرنی چاہیے، البتہ مخرب اخلاق پروگراموں سے خود کو دور رکھنا ضروری ہے، ورنہ آدمی ان ہی مخرب اخلاق پروگراموں کا رسیا بن جاتا ہے اور اس کی زندگی تباہ و برباد ہو جاتی ہے، اسی وجہ سے علماء ٹی وی دیکھنے ہی سے روکتے ہیں، آج کل بچوں کے صاف ستھرے پروگراموں پر مشتمل عربی زبان میں سی ڈیس ملتی ہیں، ان کو ترجیح دینی چاہیے۔

۶۔اغانی اور نظموں کا بھی عربی زبان میں مہارت حاصل کرنے میں بڑا رول ہے، اس کی سی ڈیس ہندوستان کے بازاروں میں بھی عام دستیاب ہے، نظموں کا تلفظ سمجھنے میں دشواری ہوتی ہے، لیکن دو تین بار سننے اور غور کرنے سے الفاظ معلوم ہو جاتے ہیں۔اسی طرح مشاہیر علماء کے عربی خطابات اور تقریروں کو بھی سننے کی عادت ڈالنی چاہیے۔

۷۔عربی زبان میں مہارت پیدا کرنے والی بہت سی کتابیں ہیں، جو نئے اسلوب میں تحریر کی گئی ہیں، بعض کے ساتھ انگریزی زبان بھی شامل ہے، ان کے مطالعہ اور ان میں تحریر کردہ جملوں کے یاد کرنے سے عربی زبان میں پختگی پیدا ہو جاتی ہے۔

۸۔بچوں کے لیے تحریر کردہ کہانیوں، قصوں، افسانوں اور اشعار کی کتابوں کو کثرت سے پڑھنا چاہیے، ایسی کتابوں کے پڑھنے میں دلچسپی بھی رہتی ہے اور آسان زبان کے استعمال کی وجہ سے سمجھ میں بھی آتا ہے، ترکیبات کی آسانی کی وجہ سے جلدی یاد بھی ہو جاتا ہے، مصنفین ان کتابوں میں عام استعمال ہونے والے جملوں کو ترجیح دیتے ہیں۔

۹۔کسی استاذ یا اپنے سے زیادہ عربی جاننے والے دوسرے ساتھی سے عبارت کے

حل کرنے میں مدد لینی چاہیے اور صرف عبارت خوانی کے لیے کوئی وقت نکالنا چاہیے۔

۱۰۔ کسی بھی زبان میں مہارت حاصل کرنے کے لیے اس کے ذخیرۂ الفاظ پر دسترس نہایت ضروری ہے، اگر کوئی نئی زبان سیکھنا چاہتا ہو اور اس کے پاس الفاظ کا ذخیرہ نہ ہو تو قدم قدم پر اسے اپنی کم مائیگی کا احساس ہوتا ہے، اس کمی کو تین طرح سے دور کیا جا سکتا ہے:

ایک یہ کہ وہ اس زبان کے بولنے والوں کے ساتھ ایک عرصہ گزارے۔

دوسرے یہ کہ وہ مطالعہ وسیع کرے اور اس زبان میں ہر موضوع سے متعلق کثرت سے کتابیں پڑھے، تاکہ ہر طرح کے الفاظ کا ذخیرہ اس کے خانۂ دماغ میں جمع ہو جائے اور وہ بے تکان ان کو استعمال کر سکے۔

تیسرے یہ کہ خاص خاص موضوع سے متعلق استعمال ہونے والے اور مفردات معتد بہ تعداد میں اس طرح یاد کرے کہ وہ بے تکلف ان کو برت سکے۔

میں نے اپنے شاگردوں کو درجہ میں مشورہ دیا کہ الفاظ کے ذخیرہ کو اپنے ذہن میں جمع کرنے کی غرض سے کسی بڑی ڈکشنری کو شروع سے اخیر تک غور سے کسی بھی دوسری کتاب کے مطالعہ کی طرح دیکھنا چاہیے، طلباء میری اس بات پر ہنسنے لگے اور انہوں نے سمجھا کہ میں مذاق کر رہا ہوں، لیکن میں نے ان کو سنجیدگی سے سمجھایا کہ اس کا بڑا فائدہ ہوتا ہے، جو بھی چیز نظر سے گزرتی ہے تو دماغ کے ایک خانہ میں جمع اور اسٹور ہوتی رہتی ہے، جب کوئی موقع ہوتا ہے تو وہ لفظ خود بخود اچھل کر آجاتا ہے۔

دوسرا مشورہ یہ ہے کہ درسی کتابوں کے مطالعہ کے وقت جب الفاظ کے معانی کے لیے ڈکشنری دیکھی جائے تو مطلوبہ لفظ کے ساتھ اس کے مادہ کے سبھی مشتقات پر ایک نظر ڈالی جائے، اس کا بھی الفاظ کے ذخیرہ میں بڑا فائدہ ہوتا ہے، اور ایک ہی مادہ کے سبھی مشتقات میں پائے جانے والے معنوی فروق سے بھی واقفیت ہوتی ہے۔

زبان میں مہارت حاصل ہوئی ہے یا نہیں؟ معلوم کرنے کا طریقہ

زبان میں مہارت چار ناحیوں سے ہوتی ہے:

۱۔سن کر بہترین انداز میں سمجھنے کی صلاحیت

۲۔ پڑھ کر بہترین انداز میں سمجھنے کی صلاحیت

۳۔ بولنے کی صلاحیت

۴۔لکھنے کی صلاحیت

جب یہ چار مہارتیں حاصل ہوں گی تو زبان پر عبور اور مہارت حاصل ہوتی ہے، اس لیے چاروں پہلوؤں پر توجہ دینا ضروری ہے۔

اپنے اندر عربی زبان کی مہارت کو جانچنے کا طریقہ یہ ہے کہ مندرجہ ذیل طریقہ پر چار خانے بنائے جائیں:

شمار	مہارت	محصلہ نمبر
۱	سن کر بہترین انداز میں سمجھنے کی مہارت	۶۰
۲	پڑھ کر بہترین انداز میں سمجھنے کی مہارت	۸۰
۳	بولنے کی مہارت	۴۰
۴	لکھنے کی مہارت	۲۰
	جملہ (۴۰۰)	۲۰۰

آپ خود اپنی صلاحیت کو جانچ لیں اور اپنی جانچ کے نمبرات خود ہی دیں، کیوں کہ اپنے بارے میں آدمی سبھوں سے زیادہ جانتا ہے؛ دیکھئے کہ آپ کوئی عربی تقریر یا انٹرویو وغیرہ سن کر کتنا سمجھ سکتے ہیں؟ اگر ساٹھ فیصد سمجھ سکتے ہیں تو نمبرات کے خانے میں ساٹھ لکھئے...... پھر کسی کتاب کا مطالعہ کیجئے اور دیکھئے کہ آپ کتنا فیصد سمجھے ہیں، اس کے نمبرات پڑھنے کی صلاحیت والے خانے میں رکھئے...... پھر بولنے کی کوشش کیجئے اور دیکھئے کہ آپ کتنی طلاقت اور بے تکلف بول سکتے ہیں، اس کا فیصد اس کے مخصوص خانے میں تحریر کیجئے ...... پھر کسی عنوان پر عربی میں لکھنے کی کوشش کیجئے یا کسی اردو یا انگریزی مضمون کا عربی میں ترجمہ کیجئے، آپ اس میں کتنے کامیاب ہوتے ہیں دیکھ لیجئے، اس کا فیصد نکال کر لکھنے کی

مہارت والے خانے میں شامل کیجئے، پھر سبھی نمبرات کو ملا کر دیکھئے کہ کتنے بنتے ہیں، اخیر میں جملہ نمبرات (جو مذکورہ ٹیبل میں چار سو ہیں) سے محصلہ نمبرات (جو مذکورہ ٹیبل میں دو سو ہیں) کا فیصد نکالئے، نتیجہ آپ کے سامنے ہے کہ آپ کو کتنی عربی زبان آتی ہے، مذکورہ ٹیبل کے مطابق آپ کو پچاس فیصد عربی آتی ہے۔

جن صلاحیتوں میں نمبرات کم ملے ہیں؛ ان پر زیادہ توجہ دیجئے اور سو میں سو نمبر لینے کی کوشش کیجئے۔

جانچ کا یہ عمل وقفہ وقفہ سے بار بار کیجئے، جس سے آپ کو عربی زبان میں مہارت کا پتہ لگے گا اور مزید کے حصول کے لیے جذبہ پیدا ہوگا۔ انشاء اللہ ایک دن آپ عربی زبان کے ماہر بن جائیں گے، اسی کے ساتھ اللہ کے حضور دعا بھی کرتے رہئے کہ وہ اپنی سب سے محبوب زبان، اپنے سب سے محبوب کی زبان، اپنے سب سے پسندیدہ دین کی زبان میں مہارت عطا فرمائے، اللہ ہم سبھوں کو اس میں مہارت عطا فرمائے۔

اب سوال یہ ہے کہ ان صلاحیتوں کو کیسے حاصل کیا جائے؟ اس کا جواب بڑا تفصیلی ہے اور ہر ایک صلاحیت کے لیے تفصیلی مقالہ کی ضرورت ہے، جس کو بیان کرنی کی یہاں گنجائش نہیں ہے، انشاء اللہ الگ ہی ان پر تفصیلی روشنی ڈالی جائے گی۔ ان کے الگ الگ کورسس بھی ہیں جن پر تفصیلی محاضرات دیے جا سکتے ہیں۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اس کو راضی کرنے کا ہر عمل کرنے اور اس کو ناراض کرنے والے ہر عمل سے باز رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين